U101939 H Date- 15-12-05

Title – AL MAMOON (Part-1,2)

Creator – Shibli Nemani.

Publisher – Darul Musnafeen (Azamgarh).

Date – 1992

Pages – 248

Subjects – Tazkira Khulfaye Bani Abbasi – Mamoon Al Rasheed; Mamoon Al Rasheed – Sawaneh.

رائل ہیروز آف اسلام

یعنے

نامور فرمان وایان اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصہ

المامون

[illegible]

حالات ہیں دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل جن سے اُس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون الرشید کا عہد عموماً سلاطین عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے

مولفہ جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی
پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈہ و فیلو یونیورسٹی الہ آباد

حسب اجازت مولف صاحب موصوف
افضل المطابع دہلی میں طبع ہوئی
باہتمام سید محمد شفیع الدین
(۱۰۰۰)

قیمت مجلد ۸ عہ

مختصر فہرست کتب متعلقہ افضل الاخبار پریس و بک ا[یجنسی]

حویلی اعظم خان دھلی

احسن التفاسیر اردو مولفہ مولانا حافظ حاجی سید احمد حسن صاحب تعلقدار حیدرآباد دکن۔ اردو زبان [میں]
کلام خدا کی تفسیر کے متعدد لباس اس خوش نصیب زبان نے پہنے مگر احسن [التفاسیر]
حلہ بہشتی ہے جو خیب سے اردو کو ملا۔ علامہ مفسر نے عجیب و غریب حقائق و معارف سے آراستہ کیا ہے اول تو یہ کوشش [کی ہے کہ کلام]
الہی کی شرح آپکے منشرح الفاظ سے جو قرآن پاک میں دوسری جگہ وارد ہوئے ہیں اس کے بعد مستند احادیث صحیحہ [اور اقوال]
خلفاء اربعہ و امام المفسرین حضرت ابن عباس کے ارشادات سے نامور و مسلم الثبوت تفاسیر ابن جریر ابن کثیر معالم التنزیل [سے]
وہ نکتے فراہم کئے ہیں وہ وہ لطائف چنے ہیں کہ پڑھنے والا محو ہو جاتا ہے روایات کی صحت کا التزام حد سے زیادہ [ہے آیات]
کی توضیح ایسی کہ حرف حرف آئینہ ہوتا چلا جاتا ہے محکم متشابہ آیتوں کی وضاحت ناسخ منسوخ کی حقیقت اپنے اپنے مو[قع پر ایسی]
ہے کہ خطرات کا شمہ باقی نہیں رہتا اس پر طرہ یہ کہ زبان صاف و سیدھی دلچسپ اسکو کہتے ہیں ہم خرما و ہم ثواب [ظاہر]
اور باطن بھی وجد انگیز مسلمان اپنی ایمان کی شمع کو لیں اور دیکھیں کہ احسن التفاسیر کے دل آویز فانوس میں وہ کیسی بھلی [معلوم ہوتی ہے]
کتاب مذکور کا لائق مصنف ایسا نہیں جو اظہر من الشمس ہونے کا مصداق نہ ہو خالق کون و مکان نے اسکو اپنے حافظ[ہ کا]
خزانہ عنایت فرمایا ہے۔ حافظ کلام الہی۔ موحد اور عارف کی فخر بخشی کے علاوہ اس کے مجلہ سینے میں اسلام کی وہ [درد]
زمائی کہ عالم شش جہت کے مسلمانوں کے دلوں میں اس کے خدا پرست ہونے کا سکہ بٹھا دیا۔ یہ سبب اسکا صلہ [ہے کہ]
اپنی عمر کا بہت سا حصہ اسی تفسیر میں صرف کر دیا اور خدا نے اپنے فضل عمیم سے مصنف کی جانفشانی کو اس در[جہ]
بخشا کہ یہ تفسیر ابھی شروع ہو کر اوراق کا نمونہ ہی اہل ملک کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ فوراً پوری تفسیر کی طلب
[ہو]نی سے باعث فدوی مسمی منی والا تمام من اللہ کمکر اس کو بہت جلد چھاپنے میں مصروف ہوا خداوند کریم کی مدد احقر [کے شامل حال]
ہوئی اور اسنے اسکو اپنی قدرت کاملہ سے چھپوا دیا طبقہ علما و فضلا کے ہاتھوں میں پوری تفسیر کے پہنچنے کے بعد [سے]
شکریے کے خطوط آنے لگے۔ اس تفسیر کو سات حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک منزل کا ایک ایک حصہ قرار دیا ہے کل حص[ص کا]
مبلغ ۱۵ عہ **نوٹ** جو صاحب پوری تفسیر خریدیں گے ان سے مبلغ ۱۰ عہ اور مقدمہ احسن التفاسیر ۴ ر علاوہ محص[ول]
لئے جاویں گے پوری تفسیر کا محصول عہ ہوگا۔

کنز ذرار اردو یہ کتاب جس کو طب میں بےمثل اور لاجواب کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کتاب اپنے فن میں
اور نرالی کتاب ہے ہم اسکی خوبیاں کہاں تک آپکا عزیز وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے مختصراً اتنا کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتے کہ
الحکماء حکیم محمد وارث علیخاں مرحوم کی تصنیف سر ہے فاضل مصنف نے طب کی جملہ دشوار یاں اور اہم گزار گھاٹیوں کو
خس و خاشاک سے پاک و صاف کر کے دماغ سے پاؤں تک کے تمام امراض کو نہایت تفصیل و تشریح سے بیان فر[مایا ہے ہر]
مرض کے متعلق صرف وہی نسخے درج کئے ہیں جو علامہ مصنف نے بار ہا تجربہ کئے ہیں یا جو اس کے معزز و نامور خا[ندان کے]
معتمد علیہ ہیں سب سے بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ اکثر امراض کا علاج جڑی اور بوٹیوں سے بتایا گیا ہے اگر آدمی
کچھ بھی بس ہو تو جنگل میں بیٹھکر بخوبی علاج کر سکتا ہے اگر آپ علم طب سے کچھ نفع اٹھانا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور
اور گھر بیٹھے بے کھٹکے علاج کیجئے باوجود ان خوبیوں کے قیمت صرف فی جلد ۱۲ ر

رائل ہیروز آف اسلام

یعنی

نامور فرمانروایان اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصہ

المامون
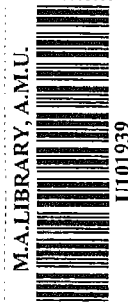
اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں تمہید۔ ترتیب۔ خلافت مامون الرشید کی ولادت تعلیم وتربیت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جنسے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق وعادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے۔

مرتبہ شبلی نعمانی

فضل المطابع پریس دہلی میں چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمانہ کے انقلاب سے مسلمانوں کی قومی خاصیتیں گو بہت کچھ بدل گییں اور بدلتی جاتی ہیں۔ تاہم اپنی قومی تاریخ کے ساتھ جو دلچسپی اور شغف اُن کو پہلے تھا۔ اب بھی ہے۔ جس طرح قومی روایتوں کے محفوظ رکھنے میں وہ ہمیشہ نام آور رہے ہیں۔ آج بھی گذشتہ تاریخ کی طرف اُن کو وہ جوشِ التفات ہے کہ اُس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ فرق ہے۔ تو یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے جو زبانیں ہماری ملکی اور قومی زبانیں تھیں اُن میں زمانہ کے امتداد اور اسلامی حوصلہ مندیوں نے قومی تاریخ کے بے انتہا ذخیرے مہیا کر دیئے تھے جس کا یہ اثر تھا کہ افسانوں کی طرح یہ روایتیں عام لوگوں میں پھیل گییں تھیں اور قصہ طلب ہوا ہے اس کثرت سے ان زبانوں میں داخل ہو گئے تھے کہ ہمارے لٹریچر کا ہر جملہ - گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سامتن تھا لیکن آج جو زبان (اردو) ہماری عام ضرورتوں کی کفیل ہے اس کے خزانے میں قومی تاریخ کا جس قدر سرمایہ ہے ضرورت سے بہت کم ہے ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ و تیموریہ کے کارنامے بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے اسلام کو تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں اُس کی فتوحات

کہاں کہاں پہونچیں۔ کس کس کو اُس نے تاج و تخت دیا۔ کتنی سلطنتیں قائم کیں۔ کبھی بنو اُمیہ کو عروج ہوا۔ کبھی عباسیہ کا ستارہ چمکا۔ آج دیلم نے تاج حکومت سر پر رکھا۔ کل سلجوق کا علم اقبال ہوا۔ کبھی ایوبیہ نے روم و شام کے دفتر الٹ دیئے۔ کبھی ملتین اُٹھے اور یورپ کو پامال کر آئے۔ اگرچہ یہ خاندان مختلف ملک اور مختلف نسل سے تھے۔ لیکن اسلامی اتحاد نے ان سب کو ایک قوم کہکر پکارا اور انہیں کے رزم بزم کے کارنامے ہماری قومی تاریخ بن گئے جس کو اردو زبان میں ہم ڈھونڈھنا چاہیں تو کہاں ڈھونڈھیں۔

اُردو زبان کی یہ کم مایگی کچھ محل تعجب بھی نہیں۔ اُردو اگرچہ دیکھتے دیکھتے ترقی کے بہت زینے طے کر گئی اور قریب ہے کہ وہ ایک علمی زبان کے رتبہ تک پہونچ جائے لیکن علماء کا گروہ جو عربی زبان اور عربی تصنیفات کا مالک تھا اور اس وجہ سے تاریخی ذخیرے بھی گویا خاص اسی کے قبضہ اختیار میں تھے۔ اُس کی طرف مطلقاً ملتفت نہ ہوا۔ تصنیف و تالیف تو ایک طرف ہمارے علماء اس زبان میں خط و کتابت کرنا بھی عار سمجھا کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کچھ اس تیزی سے بڑھی کہ بہت سے لوگ اور خصوصاً یہ سادہ مزاج گروہ اسکی رفتار ترقی کا اندازہ بھی نہ کر سکا۔ چونکہ تو اُس وقت۔ جب وہ (اُردو) ملک کی انشا پردازی اور عام تصنیفات پر پورے اقتدار کے ساتھ قابض ہو چکی تھی اور میرا تو خیال ہے کہ اُن میں بہت سے اب تک وہی صحرا ئے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نسلیں جنھوں نے حال کی آب و ہوا میں پرورش پائی۔ البتہ اردو کا حق سمجھتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اپنی ملکی زبان کو ترقی کے اعلےٰ رتبہ پر پہنچائیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ملک میں اردو انشا پردازی کا ایک عام جوش پھیل گیا ہے اور ہر طرف سے نئی تصنیفات کی صدائیں آ رہی ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ کی پر پیچ ضرورتوں نے اس نئے گروہ کو بہت کم موقع دیا کہ عربی زبان پر دسترس پا سکے۔ اس لئے عربی تصنیفات سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور قومی تاریخ کے اصلی خزانے اسکی آنکھوں سے چھپے رہ گئے۔ مجبورانہ۔ پرزور اور ایجاد پسند طبیعتیں جو کسی طرح نچلی نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ تذکرون۔ اور ناولوں پر جھکیں جس سے اتنا ضرور ہوا کہ اردو کی وسعت کا ایک قدم اور آگے بڑھا۔ لیکن افسوس اور عبرت کی جگہ ہے۔ کہ زبان عربی اور فارسی کو

ہٹاکر۔ ہماری علمی اور قومی زبان بنی۔ وہ اُسی خاصہ سے محروم رہ گئی۔ جو قائم مقامی کی حیثیت سے اُسکا ذاتی حق تھا۔ یہی ایک چیز ہے جو قومی فیلنگ اور قومی خوش کو زندہ رکھ سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو قوم قوم نہیں۔

انہیں خیالات کی بنا پر ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور بسیط تاریخ لکھوں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ میں تمام خاندانوں کا استقصار کرسکتا تھا نہ کسی خاص سلسلہ کے انتخاب کی مجکو کوئی وجہ مرجح ملتی تھی۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیروز آف اسلام (یعنے نامور فرمانروایان اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں جس کا طریقہ یہ ہو کہ اسلام میں آج تک خلافت و سلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے اُن میں سے صرف وہ نامور انتخاب کرلیے جائیں۔ جو اپنے طبقہ میں عظمت حکومت کے اعتبار سے اپنا ہمسر نہ رکھتے تھے۔ اور ان کے حالات اس ترتیب اور جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بھی موجود ہو۔ جن خاندانوں کو میں نے اس غرض کے لیئے انتخاب کیا ہے اُن کے نام یہ ہیں۔

خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنے وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز ہے۔
خلفائے راشدین	حضرت عمرؓ۔ خلیفہ دوم
بنوامیہ	ولید بن عبدالملک
عباسیہ	مامون الرشید
بنوامیہ اندلس	عبدالرحمن ناصر
بنو حمدان	سیف الدولہ
سلجوقیہ	ملک شاہ
نوریہ	نورالدین محمود زنگی۔
ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف۔

ترکانِ روم   سلیمان اعظم۔

ان خاندانوں کے سوا اور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہوئے مگر میں نے ان کو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق (مثلاً غزنویہ) مغلیہ تیموریہ) تو اسوقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ شان حکومت یا وسعت سلطنت کے اعتبار سے ان کو یہ رتبہ حاصل نہیں کہ ہیروز کے معزز دربار میں ان کے لئے جگہ خالی کی جائے۔

یہ حصہ جو میں قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں **مامون الرشید عباسی** کی تاریخ ہے اور اسی مناسبت سے اس کا نام **المامون** ہے۔ اس بات کا مجکو بھی افسوس ہے کہ چند مجبوریوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں۔ ترتیب کی پابندی نہ کر سکا۔ اور خلفائے راشدین و بنو اُمیہ کو چھوڑ کر پہلے اس خاندان کو لیا۔ جو ترتیباً تیسرے نمبر پر تھا۔ آیندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نہ کر سکوں۔ لیکن یہ قطعی ارادہ ہے کہ اگر زمانہ نے مساعدت اور عمر نے وفا کی تو اس سلسلے کے کل حصے جس طرح ہو سکے گا پورے کرونگا۔

مامون الرشید کے تاریخی حالات کے متعلق عربی میں جسقدر مشہور اور مستند تاریخیں ہیں خوش قسمتی سے اکثر اس حصہ کی ترتیب کے وقت میرے استعمال میں ہیں لیکن میں علانیہ اعتراف کرتا ہوں کہ۔ موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن ترقی کے جس پایہ پر پہونچ گیا ہے اور یورپ کی دقیقہ سنجی نے اسکے اصول و فروع پر جو فلسفیانہ نکتے اضافہ کئے ہیں۔ اسکے اعتبار سے ہماری قدیم تصنیفات ہمارے مقصد کے لئے بالکل کافی نہیں۔

تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری[۱]۔ مروج الذہب مسعودی۔ کامل بن الاثیر جزری[۲]

---

۱ یہ نہایت مستند اور ضخیم تاریخ ہے۔ ابن اثیر و ابن خلدون و ابو الفدا۔ کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ ستره ۱۷ جلدوں میں بمقام ہالینڈ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔ اور ہنوز ناتمام ہے۔ ۱۲

۲ تاریخ کامل مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر چھپی ہے اور نہایت مشہور اور مفید تاریخ ہے۔ ۱۲

ابن خلدون ۔ ابوالفدا ۔ دول الاسلام ذہبی ۔ تاریخ الخلفا سیوطی ۔ عیون والحدائق اخبار الدول قرمانی ۔ تاریخ ابن واضح کاتب عباسی ۔ فتوح البلدان ۔ بلاذری[1] معارف ابن قتیبہ ۔ اعلام الاعلام ۔ النجوم الزاہرۃ یہ وہ مبسوط اور مستند تاریخیں ہیں ۔ جو اسلامی تاریخوں میں ممتاز خیال کی جاتی ہیں ۔ اور دولت عباسیہ یا خاص مامون الرشید کے حالات سے آگہی کا ذریعہ ان سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے ۔ لیکن ان تمام تاریخوں کو پڑھ کر اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ فلاں عہد میں طریق تمدن اور طرز معاشرت کیا تھا ۔ حکومت اور فصل مقدمات کے کیا آئین تھے ۔ خراج ملک کیا تھا ۔ فوجی قوت کس قدر تھی ۔ ملکی عہدے کیا کیا تھے ۔ تو ان باتوں میں سے ایک کا پتہ لگنا بھی مشکل ہو گا ۔ خود فرمانروائے وقت کے طور وطریقے اور عام اخلاق وعادات کا اندازہ کرنا چاہو تو وہ جزئی حالات اور مفید تفصیلیں نہ ملیں گی جن سے اسکی اخلاقی تصویر ایک بار آنکھوں کے سامنے پھر جائے جن واقعات کو بہت بڑہا کر لکھا ہے اور ہزاروں صفحے اسکی نذر کر دئے ہیں ۔ وہ صرف تخت نشینی ۔ خانہ جنگیاں ۔ فتوحات ملکی ۔ اندرونی بغاوتیں عمال کے عزل ونصب کے حالات ہیں ۔ یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے پر جمع کر دئے ہیں نہ اُن کی اسباب وعلل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے ۔ نہ اُن سے کسی قسم کے دقیق تاریخی نتیجے مستنبط ہو سکتے ہیں ۔

مثلاً اسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں ۔ ان کے متعلق جس تاریخ کو اٹھالو نہایت تفصیلی حالات ملیں گے ۔ لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کہ کس قسم کے اندرونی واقعات نے ان بغاوتوں کو پیدا کیا تھا ۔ اور اُن کے نشوونما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو کیا خواص کی نگاہیں بھی نہ اٹھیں کب شروع ہو چکی تھی ۔ تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دینگے اور تمکو تمام تر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑے گا ۔ تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات کے سلسلے میں بندھا ہے انہیں ریشہ دوانیوں کا پتہ لگانا اور اُن سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ تاریخی نتائج کا مستنبط کرنا ۔ یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے

[1] بلاذری نہایت قدیم مورخ ہے خلیفہ متوکل باللہ عباسی المتوفی ۲۴۷ھ کے عہد میں موجود تھا اسکی تاریخ جرمن میں چھپی ہے۔

اور یورپ کو اس فن کے متعلق جس اختراع و ایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں اُن لوگوں نے جو کچھ کیا موجودہ اور آیندہ نسلیں ہمیشہ اُسکی ممنون رہیں گی۔ لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے۔ کون کہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی۔ آج بھی قایم رہے گی ؟۔

اسکے علاوہ۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر زمانہ کا مذاق مختلف ہے جن باتوں کو قدما نے اس خیال سے نظر انداز کر دیا۔ کہ یہ جزئی اور عام معمولی باتیں تصنیف کی متانت کے شایاں نہیں آج انہیں کی تلاش ہے کہ اُس عہد کی عام معاشرت۔ اور طرز زندگی کا اُن سے اندازہ کیا جائے اسی ضرورت سے میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے پہلے حصے میں وہی معمولی واقعات ہیں جو عموماً تاریخوں میں مل سکتے ہیں۔ یعنی **مامون** کی ولادت ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ بغاوتیں فتوحات ملکی۔ وفات۔

دوسرے حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جنسے مامون کے پولیٹکل انتظامات اور سوشیل حالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس خاص حصہ کی ترتیب کے وقت واقعات کی تلاش وجستجو میں۔ میں خاص تاریخی تصنیفات کا پابند نہ تھا۔ تراجم طبقات۔ مقامی جغرافیے سفر نامے۔ نقشجات۔ غرض جہاں سے جو بات ملی۔ اخذ کی تاہم اس بات کی سخت احتیاط کی کہ جو کچھ لکھا جائے نہایت صحیح اور مستند تاریخی روایتوں سے لکھا جائے۔

(ناظرین اس موقع پر حصہ دوم جہان سے شروع ہوا ہی اسکی تمہید بھی ملاحظہ فرما دیں)

مامون الرشید کی اصلی تاریخ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر دولت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی حالات لکھیں۔ عام مورخوں نے عباسیہ کے ظہور اقبال اور بنو اُمیہ کے زوال کا زمانہ قریباً ساتھ ساتھ خیال کیا ہے اور اُن مشہور واقعات سے بھی جو شہرت عام کی روشنی میں چمک رہے ہیں۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ عباسیوں کو اپنی رقیب سلطنت کی بربادی میں بہت کم عرصہ لگا۔ لیکن تاریخی اصول کے لحاظ سے کسی طرح خیال میں نہیں آسکتا کہ ایک ایسی پُرزور سلطنت ایسے فوری صدمہ سے دفعتاً زیر و زبر ہو جائے

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں کہ جب خلافت کے دعوے ہیں ہمیشہ پیغمبر صلعم کا قرب زیادہ مؤثر سمجھا جاتا تھا تو عباسیہ اور سادات کے ہوتے۔ بنوامیہ کیونکر اس منصب پر قابض ہو گئے ان باتوں کے سمجھانے کے لئے ہم خلافت کے اجمالی سلسلہ کو اس ترتیب سے لکھتے ہیں جس سے وہ تمام عقدے خود بخود حل ہو جاویں جو ان خلافتوں کی پولیٹکل حیثیتوں کے متعلق تاریخی فلسفہ کے راز ہیں۔

خلافت کا اجمالی سلسلہ بنی ہاشم۔ و بنی اُمیّہ کی حریفانہ طاقتیں۔ بنوامیّہ کی سلطنت۔ ہاشمیوں کی کوششیں دولتِ عبّاسیہ کا آغاز

آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز۔ قریش کا قبیلہ تھا۔ لیکن قریش کے بھی دو برابر حصّے ہو گئے تھے[۱]۔ ہاشم و اُمیّہ اور (جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے) جمعیت اور ملکی اقتدار میں بنو اُمیّہ کا پلہ۔ بنو ہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرت صلعم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر صدیق اکبر رضہ پر اتفاق عام ہو گیا۔ لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے اِدّعا پر مُصر رہے اور اُنکو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس دونوں ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سرے سے پیش ہوتے۔ لیکن حضرت عمر رضہ کی باضابطہ ولیعہدی نے اسکا موقع نہ دیا۔ حضرت عمر رضہ نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چُنا جنکی حاکمانہ لیاقتیں اُنکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ حضرت علی رضہ بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت عباس رضہ نے اُنکو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت کو بخت و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے آپ اپنے استحقاق کا فیصلہ کر لیں

[۱] قریش کے اور بھی چھوٹے چھوٹے حصے ہو گئے تھے۔ لیکن برابر کے حریف صرف یہی دو تھے ۱۲

لیکن جناب امیر رضہ کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنیکی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمان رضہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تو حضرت علی رضہ نے صبر جمیل کہا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے حضرت عثمان رضہ خاندان بنو امیہ سے تھے۔ اور ان کی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی حضرت ابوبکر رضہ و عمر رضہ نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اس لئے ان کے عہد تک بنو امیہ و ہاشم یہ دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عثمان رضہ نے اپنی خلافت میں۔ تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھ میں دیدئے امیر معاویہ رضہ پہلے بھی شام کے گورنر تھے۔ لیکن اس عہد میں اُنکا اقتدار اس حد تک پہونچ گیا کہ شام کے فرمانروائے مستقل سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کی خلافت قریبًا بارہ برس رہی۔ اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ اُن سے ناراض ہو گئے۔ اور ان کی شہادت تک نوبت پہونچی۔ لیکن اس وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونوں حیثیت سے نہایت طاقتور ہو گیا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں امیر معاویہ رضہ نے ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں اُن کو حضرت علی سے کچھ نسبت نہ تھی۔ تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا انہیں کے حق میں ہوا۔

اب اسلام میں ہاشمی اور اموی۔ دو طاقتیں حریف مقابل بنکر قائم ہوئیں۔ اور ان کی باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہو گئی۔ امام حسن علیہ السلام نے گو مصلحتہً خلافت سے ہاتھ اُٹھا لیا اور بظاہر امیر معاویہ کی حکومت بیداغ رہ گئی۔ لیکن اُسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعگان علی نے حضرت امام حسین کو خلیفہ کرنا چاہا اور جب اُنہوں نے انکار کیا تو اُن کے علاتی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی۔ اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹا دیں۔ اور ایک مدت کے لئے یہ توقع جاتی رہی کہ اس مقدس گھر سے خلافت کی صدا بلند ہو۔ یزید کے مرنے کے بعد محمد بن حنفیہ کا

گروہ شاید اپنے مخفی راز سے پردہ اُٹھا دیتا لیکن ہاشمیوں ہی میں عبداللہ بن زبیر دوسرے دعویدار ہو گئے۔ اور اپنی مشہور شجاعت والوالعزمی سے حجاز و اطراف عرب میں مستقل حکومت قایم کر لی۔ اسی زمانہ میں۔ بنوامیہ میں سے مروان بن حکم نے جو حضرت عثمان رضہ کا چچازاد بھائی تھا اور اُن کا میر منشی رہ چکا تھا سنہ ۶۴ھ میں شام و مصر پر قبضہ کر لیا اور وہ گو خود کچھ بہت کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن اسکے بیٹے عبدالملک نے جو سنہ ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اُس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو **دولت بنی اُمیہ** کے مہیب لقب سے مشہور ہے۔
عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں قلعہ میں بند ہو کر شہید ہوئے اور تمام دنیائے اسلام باستثنا عبدالملک کے قبضہ اقتدار میں آگئی۔ یہ حکومت جسکو اموی کی بہ نسبت مروانی کہنا زیادہ موزون ہے۔ قریبًا ۸۰ برس تک قائم رہی۔ اور اسی قلیل مدت میں دس شخص تخت نشین خلافت ہوئے۔
اس خاندان میں عبدالملک و ولید و سلیمان و ہشام۔ نہایت عظمت و اقتدار کے بادشاہ گذرے صرف ولید کی فتوحات پر اگر لحاظ کیا جاوے تو دولت عباسیہ اپنی چھ سو برس کی زندگی میں اُس کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں کر سکتی۔ اس عہد میں حدود اسلامی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ سندھ و کابل و ایران و ترکستان و عرب و شام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام افریقہ اس میں داخل تھا۔ با ایںہمہ بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے۔ اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلہ کو اُٹھے۔ اگرچہ ولید و ہشام کے پُرزور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرہ سے بچا لیا۔ لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہو گیا اور جب اُس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اُٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھانچہ بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔
اُس وقت تک خلافت کی کوششیں۔ صرف سادات اور علویین کی طرف سے ہوتی رہیں عباسی خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علویین میں سے عبداللہ جو محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علی رضہ کے پوتے تھے اپنے پیروؤں کی ایک تعداد کثیر رکھتے تھے اور خراسان و ایران میں جا بجا اُن کے خفیہ نقیب مقرر تھے سنہ ۹۸ھ میں اُن کو زہر دیا گیا اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ سادات میں اُس وقت کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا۔ اس لئے وہ محمد بن علی کو جو حضرت **عباس** (رسول اللہ صلعم کے عم بزرگوار) کے پرپوتے تھے

اپنا جانشین کر گئے۔ اسی طرح علویین کی مجتمع قوت عباسی خاندان کی طرف منتقل ہو گئی۔ گویا یہ پہلا دن تھا کہ دولت عباسیہ کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ آل عباس کے نقبا تمام عراق وخراسان میں پھیل گئے۔ اور ۱۰۲ھ و ۱۰۵ھ و ۱۰۷ھ و ۱۰۹ھ میں و ۱۱۸ھ میں۔ ان کی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں۔ بعض اوقات حکام بنی اُمیہ پر یہ سازش کھُل گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دئے گئے۔ اس اثنا میں کبھی کبھی علویین نے بھی علم خلافت بلند کیا مثلاً ۱۲۱ھ میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھائے۔ اور میدان جنگ میں داد شجاعت دے کر مارے گئے۔ یہ لڑائیاں ان دعویداروں کو تو کچھ مفید نہ ہوئیں۔ مگر عباسیوں نے اُس سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ ان کے حریف بنی اُمیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہونچے۔ ۱۲۶ھ میں محمد بن علی کا انتقال ہو گیا۔ اور اُن کے بیٹے ابراہیم امام باپ کے جانشین ہوئے۔ ۱۲۸ھ میں ابراہیم کو **ابومسلم خراسانی** ایک عجیب وغریب شخص ہاتھ آیا جس نے اپنے حسن تدبیر اور زور بازو سے اس کام کو انجام تک پہونچایا۔ اور بانی دولت عباسیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اپنی طرف سے سیکڑوں نقیب مقرر کئے۔ اور تمام اطراف میں بھیجے۔ طرفداران آل عباس کے لئے سیاہ لباس یا ایک سیاہ وانچی بطور نشان کے مقرر کی۔ ان نقیبوں نے خراسان فارس کے تمام اضلاع میں خفیہ سازشوں کے جال پھیلا دئے اور ایک خاص دن ٹھہر گیا کہ اُس تاریخ کو ہوا خواہان آل عباس جہاں جہاں ہوں۔ دفعتاً اُٹھ کھڑے ہوں۔ رمضان کی ۲۵ تاریخ ۱۲۹ھ شب پنجشنبہ سفیدنج ایک گاؤں میں جو ہرات کے نواحی میں ہے۔ ابومسلم نے خلافت عباسیہ کی عام منادی کر دی اور ابراہیم کے بھیجے ہوئے علموں پر جن کا نام ظل وسحاب تھا سیاہ پھریرے آویزاں کئے ہر طرف سے لوگ جوق جوق آتے تھے اور ظل وسحاب کے نیچے جمع ہوتے جاتے تھے۔ ابومسلم نہایت کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتا ہوا خراسان کی طرف بڑھا۔ اور عمال بنی اُمیہ کو پے در پے شکستیں دیں۔ اس زمانہ میں بنو اُمیہ کا اخیر فرمانروا مروان الحمار تخت نشین حکومت تھا خراسان کے گورنر نے اسکو نامہ لکھا کہ "آل عباس میں سے ابراہیم نے علم خلافت بلند کیا

اور ابو مسلم خراسانی جو اُن کا نقیب ہے۔ خراسان کے اضلاع پر قبضہ حاصل کرتا جاتا ہے"۔ ابراہیم امام اسوقت حمیمہ میں تھے۔ اور اُن کی فوجی جمعیت جو کچھ تھی ان سے بہت دور خراسان کی فتوحات میں مصروف تھی۔ مروان نے بلقار کے عامل کو لکھا کہ ابراہیم کو پابہ زنجیر کرکے دار الخلافہ روانہ کرے۔ چونکہ ان کے ساتھہ کچھ جمعیت نہ تھی۔ بغیر کسی وقت کے گرفتار کر لئے گئے چلتے چلتے اپنے عزیزوں سے کہتے گئے کہ کوفہ چلے جائیں۔ اور ابوالعباس سفاح کو (جو اُنکے حقیقی بھائی تھے) خلیفہ بنائیں۔

سفاح نے کوفہ پہونچکر جمعہ کے دن ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو خلافت کا اعلان کیا۔ اور بڑے تزک و احتشام سے مسجد جامع میں جاکر خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑہا۔ اِدھر ابو مسلم نے سمرقند۔ طخارستان۔ طوس۔ نیشاپور۔ رے۔ جرجان۔ ہمدان۔ نہاوند پر فوجیں بھیجیں اور یہ تمام ممالک عباسیوں کے عَلَمِ اقبال کے سایہ میں آگئے شہرزور پر خود مروان کے بیٹے عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور ابوعون نے جو ابو مسلم کا ایک فوجی افسر تھا عبداللہ کو شکست فاش دی۔ یہ خبر سنکر مروان۔ ایک فوج عظیم کے ساتھہ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تھی اور جس میں بنو امیہ کا تمام شاہی خاندان شریک تھا ابوعون کے مقابلہ کو بڑہا۔ اُدہر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچا کو ابوعون کی مدد کو بہیجا مروان نے شکست کھائی۔ اور مصر کو روانہ ہوا۔ چند روز بھاگتا پھرا۔ اور آخر ۲۸۔ ذوالحجہ ۱۳۲ھ کو بوصیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے ایک گرجے میں محصور ہوکر مارا گیا۔ اور اسکے قتل کے ساتھہ مروانی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اسکے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھہ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنی اُمیہ کا ایک بچہ دُنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈہونڈہ ڈہونڈہ کر ان کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اور قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اسپر بھی عباسیوں کا جوش انتقام کم نہ ہوا خلفائے بنی اُمیہ یعنی امیر معاویہ رضہ۔ یزید۔ عبد الملک ہشام کی قبریں اُکھڑوا ڈالیں۔ اور اگر ایک ہڈی بھی ثابت مل گئی تو آگ میں جلا دی۔ اس ہنگامہ میں بنو اُمیہ میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن نام۔ اندلس (اسپین) کو بھاگ گیا۔ اور زور بازو سے وہ عظیم الشان حکومت قایم کر لی جسکو آلِ عباس ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کئے اور کچھہ نہ کر سکے۔ عباسیوں کی خلافت پانچ سو چوبیس[1] برس تک قائم رہی اور اس مدت

[1] بیان غلط ہے [illegible]

ہیں ۳۷ تخت نشین گذرے ۔ مامون جس کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں ۔ اس خاندان کا چھٹا خلیفہ تھا ۔ ذیل کے دو شجروں سے خلافت و نسب کی ترتیب معلوم ہوگی ۔

شجرۃ النسب

حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم
↓
عبداللہ مشہور صحابی ہیں
↓
علی المتوفی ۱۱۷ھ نہایت جمیل اور صاحب وجاہت تھے
↓
محمد المتوفی ۱۲۶ھ
↓
سفاح دولت عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہے ۱۳۲ھ میں تخت نشین ہوا　｜　منصور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا

شجرۃ الخلافۃ

سفاح
↓
منصور دوانیقی سفاح کا بھائی تھا
↓
مہدی بن منصور ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا
↓
ہادی بن مہدی ۱۶۹ھ میں تخت نشین ہوا
↓
ہارون الرشید بن المہدی ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا
↓
مامون الرشید بن ہارون الرشید

ہارون الرشید ۔ بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گذرا ۔ شاہزادگی کے زمانہ میں روم پر لشکر کشی کی ۔ اور پے در پے فتحیں حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہونچ گیا ۔ سریر خلافت پر بیٹھا تو اسلام کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے ۔ قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا ۔ مگر اس نے ہر بار شکست دی قیصر کے پائے تخت شہر ہرقلی[1] کو برباد کر دیا ۔ اور بزور یہ شرط لکھوالی کہ پھر کبھی آباد نہ کیا جائے گا ۔

[1] ایشیائے کوچک میں ایک نہایت آباد اور مشہور شہر تھا ۔ یونانی خاندان جو اس زمانہ میں قیصر کہلاتا تھا اسکا پایۂ تخت بھی شہر تھا ۔ عربی مورخ اسکو ہرقلہ لکھتے ہیں اب ویران ہو کر ایک معمولی شہر رہ گیا ہے ۱۲ ۔

شاہانِ شان شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکایا۔ اُس کی قدردانی کی نداے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ کے تمام اہل کمال دربار میں کھنچ آئے۔ اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا خود بھی نہایت طباع اور قابل تھا۔ اسکی علمی مجلسیں۔ ادبی تصنیفات کی جان ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر اُس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا۔ تو ہم اُس کے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے۔ مامون جس کے حالات۔ ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں۔ اسی ہارون کا فرزند رشید تھا۔

مامون کی ولادت اور تعلیم و تربیت

ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا۔ اُس کی ولادت کی رات بھی عجیب رات تھی جمیں ایک خلیفہ (ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون الرشید) تخت نشین ہوا۔ تیسرا (مامون) عالم وجود میں آیا۔ خلیفہ مہدی نے وصیت کی تھی کہ "میرے بعد ہادی۔ تخت نشین ہو۔ اور اسکے بعد ہرون"۔ ہادی نے بدنیتی سے ہرون کو محروم کرنا چاہا۔ اور چونکہ ہرون خانہ جنگیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا اس لئے ممکن تھا کہ ہادی اپنے خود غرضانہ ارادہ میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن موت نے دفعتاً اُس کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا ہارون بستر خواب پر سو رہا تھا کہ وزیر اعظم یحیےٰ نے جگا کر مژدہ خلافت سُنایا۔ ہرون نے نہایت یاس سے کہا "دیکھو! تم ہنسی کرتے ہو۔ بھائی صاحب سُن لیں گے۔ تو یہی ہنسی بلائے جان ہو گی"۔ یحییٰ نے عرض کیا۔ کہ "قضائے الٰہی نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا۔ آپ اطمینان سے سریر خلافت کو زینت دیں"۔ اسی گفتگو میں۔ خواص مژدہ لائی کہ "مشکوے شاہی میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا"۔ یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جس کی قسمت میں **مامون الرشید اعظم** ہونا لکھا تھا۔ ہرون نے مبارک فالی کے لحاظ سے عبداللہ نام رکھا۔ کیونکہ بانی دولت عباسیہ یعنی خلیفہ سفاح کا بھی یہی نام تھا۔

مامون کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مراجل تھا۔ اور بادغیس (ہرات کا ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئی تھی۔ علی ابن عیسےٰ گورنر خراسان نے اسکو ہارون کی خدمت میں پیشکش بھیجا تھا۔ افسوس ہے کہ مراجل وہی چار روز کے بعد انتقال کر گئی اور مامون کو مادر مہربان کے دامن شفقت میں پلنا نصیب نہ ہوا۔

مامون جب قریبًا پانچ برس کا ہوا تو بڑے اہتمام سے اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ دربار میں جو علماء اور مجتہدین فن موجود تھے ان میں سے دو شخص یعنے کسائی نحوی اور یزیدی۔ قرآن پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے۔ مامون کا سن ہی کیا تھا مگر طباعی اور فطانت کے جوہر ابھی سے چمک رہے تھے۔ کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لئے کہتا تھا اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فورًا کسائی کی نگاہ اٹھ جاتی۔ اتنے اشارے سے مامون متنبہ ہو جاتا اور عبارت کو صحیح کر لیتا۔ ایک دن سورہ صف کا سبق تھا۔ کسائی حسب عادت سر جھکائے سن رہا تھا۔ جب مامون اس آیت پر پہونچا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں) تو بے اختیار کسائی کی نظر اُٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیت کے پڑھنے میں کچھ غلطی کی مگر جب پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا۔ تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا تو ایفائے وعدہ فرمایئے۔ ہارون نے کہا ہاں اُس نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر ہونے کی درخواست کی تھی۔ جسکو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اُس نے تم سے کچھ تذکرہ کیا۔ مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے اُس وقت کا ماجرا عرض کیا۔ اور کہا کہ خاص اُس آیت پر کسائی کا دفعتًا چونک پڑنا بے وجہ نہیں ہوسکتا تھا ہارون اپنے کم سن بیٹے کی اس ذہانت

لہ دیکھو عیون والحدائق۔ مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۴۴۔

نہایت متعجب اور خوش[1] ہوا۔ یزیدی مامون کا صرف معلم نہ تھا بلکہ اتالیق بھی تھا۔ اور مامون کے عام افعال وعادات کی نگرانی اُس سے متعلق تھی۔ اِس فرض کو یزیدی نہایت سچائی سے ادا کرتا تھا۔

ایک دن یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اس وقت محل میں تھا۔ خدام نے یزیدی کے آنے کی اطلاع کی۔ مگر کسی وجہ سے مامون کو باہر آنے میں ذرا دیر ہوئی۔ نوکروں نے موقع پاکر یزیدی سے شکایت کی کہ جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاحبزادے تمام ملازموں کو نہایت دق کرتے ہیں۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی نے چھ سات بید مارے اتنے میں خادموں نے وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ برمکی کے آنے کی اطلاع کی۔ مامون فوراً آنسو پونچھ فرش پر جا بیٹھا۔ اور حکم دیا کہ اچھا آنے دو۔ جعفر حاضر ہوا۔ اور دیر تک ادہر اُدہر کی باتیں کرتا رہا۔ یزیدی کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون جعفر سے کہیں میری شکایت نہ کردے۔ جعفر چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا کہ میری شکایت تو نہیں کی۔ مامون نے سعادتمندانہ لہجہ میں کہا۔ "استغفر اللہ میں ہارون الرشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا۔ کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ تادیب و تعلیم سے مجکو کس قدر فائدے پہونچیں[2] گے۔"

خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں جو لوگ معتمد اور صاحب فضل وکمال ہوتے تھے اولاد کو اُن کی آغوش ترتیب میں دیدیتے تھے اور انہیں کے اہتمام میں وہ تعلیم وتربیت حاصل کرتے تھے۔ ہرون نے اسی قاعدے کے موافق مامون کو ۱۸۲ھ میں جعفر برمکی کے حوالے کیا۔ مامون کی قابلیت علمی اور عام لیاقتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ وہ جعفر برمکی کی آغوش تربیت میں پلا۔ جو قابلیت وزارت کے علاوہ علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اور زیادہ تر اُسی کی سرپرستی میں ممالک اسلامیہ میں فضل وکمال کا رواج ہوا۔ یزیدی کا بڑا بیٹا محمد بھی جو نہایت متبحر اور شاعر تھا مامون کی تربیت و تعلیم پر مامور تھا۔

---

[1] دیکھو منتخب کتاب المختار من نوادر الاخبار صفحہ ۱۰۴۔ ۱۲منہ

[2] تاریخ الخلفائے سیوطی صفحہ ۳۱۹۔ ۱۲منہ

مامون کو مورخوں نے حافظ القرآن لکھا ہے[1] غالباً اسی زمانہ میں وہ حافظ ہوا ہوگا بہر حال قرآن مجید کے ختم کرنے کے بعد اُس نے نحو و ادب پڑھنا شروع کیا اور وہ مہارت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان لیا اور نحو کے متعدد مسئلے پوچھے تو اُس نے اس برجستگی سے سوالوں کے جواب دئے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا اور ہارون نے جوش طرب میں سینہ سے لگالیا[2]۔

اس امتحان میں ہارون کا دوسرا بیٹا امین بھی شریک تھا جو مامون سے ایک برس چھوٹا تھا اور جسکو اس بات میں مامون سے شرف حاصل تھا کہ اسکی ماں زبیدہ خاتون تھی اور اس اعتبار سے وہ نجیب الطرفین تھا۔

یزیدی نے مامون و امین کو برجستہ گوئی اور حسن تقریر کی بھی تعلیم دی تھی۔ ان دونوں کی قابلیت پر یزیدی کو خود تعجب ہوتا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ "خلفائے بنی اُمیہ کے لڑکے قبائل عرب میں بھیجدئے جایا کرتے تھے کہ شستہ بیانی سیکھیں مگر تم تو گھر بیٹھے اون سے کہیں زیادہ فصیح اور زبان آور ہو" اول اول اُس نے جمعہ کے دن ایک بڑے مجمع میں جو فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا ایسے پرتاثیر لہجہ میں پڑھا کہ تمام حاضرین کے دل دہل گئے۔ اور اکثر لوگ رو پڑے ابو محمد یزیدی نے اسپر ایک قصیدہ لکھا۔ کتاب الاغانی میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہارون نے اسکے صلے میں یزیدی کو ۵۰ ہزار درہم عطا کئے فقہ کی تعلیم کے لئے سلطنت کے ہر حصہ سے فقہا بلالئے گئے۔ اور مامون نے اُن کے فیض صحبت سے ایک ماہر فقیہ کا رتبہ حاصل کیا۔ علم حدیث کی سند ہشیم۔ عباد بن العوام یوسف بن عطیہ۔ ابو معاویۃ الضریر اسمعیل بن علیتہ حجاج الاعور وغیرہ سے حاصل کی حدیث کے فن میں مالک بن انس امام وقت تھے اور بڑے بڑے ائمہ فن جن میں امام شافعی بھی داخل ہیں ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے اُن کی خدمت میں درخواست کی "کہ حریم خلافت میں قدم رنجہ فرماکر شہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں"۔ امام مالک نے

[1] خلفا میں صرف ابو بکر صدیق رض حضرت عثمان رض۔ مامون الرشید حافظ القرآن گذرے ہیں سیوطی صفحہ ۲۲

[2] دیکھو دراری فی ذکرا الذراری صفحہ ۱۲۹ ۱۲ منہ

کہلا بھیجا کہ "علم کے پاس لوگ خود آتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا" اونھوں نے اس بات سے ہارون کو اور بھی غیرت دلائی کہ "یہ علم تمہارے ہی گھر سے نکلا ہے اگر تمھیں اس کی عزت نہ کروگے تو وہ کیونکر عزت پاسکتا ہے" اس معقول جواب کو ہارون نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا اور شہزادوں کو حکم دیا کہ امام موصوف کے درسگاہ عام میں حاضر ہوں[۵۱]۔

ہارون الرشید خود بہت بڑا فقیہ اور پایہ شناس فن تھا۔ مؤطا کے پڑھنے کے لئے جو علم حدیث کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے وہ اکثر امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور چونکہ اُسکو اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا۔ امین و مامون بھی اس درس میں اس کے ساتھ ہوتے تھے[۵۲]۔ ہرچند دارالخلافہ بغداد میں جس پایہ کے علماء موجود تھے۔ اُس وقت اور کہیں نہ تھے۔ تاہم ہارون کی خواہش تھی کہ ملک میں اور جو ارباب فن ہیں ان کے فیض تعلیم سے بھی مامون و امین محروم نہ رہیں۔ جب وہ کوفہ گیا جو اُس وقت فقہ و حدیث کا مرکز تھا تو وہاں کے تمام محدثین کو طلب کیا۔ چنانچہ دو شخص کے سوا اور سب حاضر ہوئے۔ یہ دو بزرگ عبداللہ بن ادریس و عیسٰے ابن یونس تھے۔ جنھوں نے اپنے طرز عمل سے ثابت کیا کہ امام مالک کے سوا اور لوگ بھی ہیں جو علم حدیث کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ مامون و امین خود اُن کی خدمت میں حاضر ہوں۔ بن ادریس نے سو حدیثیں روایت کیں۔ اور جب اُسی وقت مامون نے اون حدیثوں کو زبانی سنا دیا۔ تو بن ادریس بھی اس کی قوت حافظہ اور واقفیت پر عش عش کر اٹھے[۵۳]۔

علوم مروجہ وقت میں سے مامون نے اگرچہ ہر ایک علم میں دستگاہ مناسب حاصل کی تھی۔ لیکن خاص فقہ ادب۔ تاریخ۔ ایام عرب میں وہ بڑے بڑے ماہرین فن کا ہمسر گنا جاتا

---

[۵۱] حکم و آداب الملیا قوت المستعصمی صفحہ ۱۷۔ ۱۲ منہ [۵۲] سیوطی صفحہ ۲۹۷۔ مؤطا کا وہ نسخہ جس میں ہارون الرشید نے پڑھا تھا۔ مدت تک مصر کے کتب خانہ میں موجود تھا سیوطی صفحہ مذکور ۱۲ منہ

[۵۳] سیوطی صفحہ ۳۳۲۔ ۱۲ منہ

تھا اور درحقیقت ایک ایسے شخص کو جو بالطبع ذکی ہو جسنے یزیدی اور کسائی جیسے مجتہدین فن سے تعلیم پائی ہو۔ جو ابو نواس۔ ابو العتاہیۃ۔ سیبویہ۔ فرا کی علمی مجلسوں میں شریک رہا ہو ایسا ہی یگانۂ فن ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ مامون تھا بچپن میں ایک دن اس نے اصمعی سے پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے۔

دعا الی اکلہ اضطرارا	ما کنت الا کلحم میت

اصمعی نے کہا ابن عیینۃ المہلبی کا۔ مامون نے کہا نہایت بلند خیال ہے۔ مگر فلان شعر سے ماخوذ ہے۔ اصمعی کو اس وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت تعجب[1] ہوا مامون نے اسی زمانہ میں شعر کہنا بھی شروع کیا تھا۔ اور چونکہ طبیعت نہایت موزوں اور نظر از بس وسیع تھی برجستہ کہتا تھا اور خوب کہتا تھا۔ ایک موقع پر ہارون الرشید نے جب فوج کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے بعد سفر کے لئے تیار رہے اور ہفتہ گذر جانے پر بھی لوگوں کو اسکے ارادہ کا ٹھیک حال نہیں معلوم ہوا تو مامون نے اراکین دربار کی فرمائش سے خلیفۂ وقت کی خدمت میں یہ قطعہ لکھا۔

ومن تقدی بسراجہ الفرس	یا خیر من دبت المطی بہ

اے ان سب لوگوں سے بہتر جنکو سواریاں لے کر چلتی ہیں اور وہ جس کے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے۔

ام امرنا فی المسیر ملتبس	ہل غایۃ فی المسیر نعرفہا

سفر کا کوئی وقت ہے جسکو ہم لوگ جان سکیں یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا۔

من نورہ فی الظلام نقتبس	ما علم ہذا الا الی ملک

اس بات کا علم صرف اس بادشاہ کو ہے جسکے نور سے ہم لوگ تاریکی میں روشنی حاصل کرتے ہیں
ہارون کو اسوقت تک نہیں معلوم تھا کہ مامون نے شاعری کی ہے۔ اگرچہ اس طباعی اور ذہانت پر نہایت خوش ہوا مگر رقعہ پر بطور جواب کے یہ لکھا "اے جان پدر تم کو شعر سے کیا کام۔ شعر عام آدمیوں کے لئے باعث فخر ہے مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں۔

[1] مرآۃ الجنان یافعی۔ ترجمہ اصمعی ۱۲ [2] سیوطی صفحہ ۳۲۰۔

سنہ ۱۸۸ھ میں جب ابراہیم موصلی و کسائی نحوی - وعباس بن الاحنف شاعر ایک ہی دن قضا کر گئے تو ہارون رشید نے حکم دیا کہ خود شہزادہ مامون جا کر اُن کے جنازے کی نماز پڑھائے. مامون نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا تو پوچھا کہ "کس کا جنازہ سب سے آگے رکھا گیا ہے" لوگوں نے عرض کی "ابراہیم کا" مامون نے کہا "نہیں عباس کا جنازہ آگے رکھو" نماز سے فارغ ہو کر واپس چلا تو ایک درباری نے عرض کی کہ عباس کو کیا ترجیح تھی مامون نے کہا ان دو شعروں کی وجہ سے. ؎

وسعی بہا ناس فقالوا انہا	لہی التی تشقی بہا وتکابد
فجحدتہم لیکون غیرک ظنہم	انی لیعجبنی المحبُ الجاحد

(یعنے معشوق کی نسبت لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اُسی پر مرتے ہو - میں نے انکار کیا تا کہ لوگ تیری نسبت گمان نہ کریں - مجکو وہ عاشق پسند ہے جو وقت پر مُکر جا سکے، علامہ ابو الفرج اصفہانی نے اس واقعہ کو ابراہیم کے تذکرہ میں نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت فن ادب کو وہ عزت حاصل تھی کہ اس قسم کے مذہبی فرائض میں بھی اُس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔

مامون نے ان علوم سے فارغ ہو کر فلسفہ کی طرف توجہ کی - ہارون الرشید نے جو عالیشان محکمہ کتب علمیہ کے ترجمے کا قایم کیا تھا - اور جس میں - ہندو - پارسی - عیسائی وغیرہ ہر مذہب وملت کے لوگ نوکر تھے جو مختلف زبانوں کی کتب فلسفیہ وطبیہ کے ترجمے کرتے رہتے تھے مامون کے تکمیل فلسفہ میں بہت مدد گار ہوا. لیکن اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہیں کرتے اور اُس موقع کے لیئے اُٹھا رکھتے ہیں جہاں ہم ملکی تاریخ سے فارغ ہو کر اُس کے عام اخلاق وعادات کا تذکرہ کریں گے اور اسی موقع پر اس کی علمی مجلسیں - علما سے مناظرے مسائل علمیہ کے متعلق ایجادات - فلسفہ کی ترویج کا حال لکھیں گے - یہاں مختصر طور پر صرف وہ حالات بیان کئے ہیں جو اسکی ابتدائی تعلیم سے متعلق تھے۔

مامون کی ولیعہدی سنہ ۱۸۲ھ

ہارون کی اولاد ذکور ۱۲ تھی جنمیں سے چار ایسے لایق وقابل تھے جن کو وہ ولیعہدی

کے لیئے انتخاب کرسکتا تھا۔ مامون۔ امین۔ موتمن۔ معتصم۔ معتصم گو نہایت قوی اندام۔ دلیر شجاع۔ اور فنون جنگ سے واقف تھا لیکن جاہل محض تھا ہارون نے اس بنا پر اسکو خلافت سے بالکل محروم کردیا۔ امین کی ماں زبیدہ اور اسکا ماموں عیسے بن جعفر بن المنصور دربار میں ایک پولیٹکل طاقت رکھتے تھے کیونکہ اراکین دربار و افسران فوج جو اکثر بنی ہاشم تھے اتحاد نسب کی وجہ سے زبیدہ کے ساتھ تھے ۔۱۷۵ھ میں عیسے بن جعفر نے وزیر السلطنت فضل بن یحییٰ سے امین کی ولیعہدی کے لئے سفارش کی۔ اگرچہ امین کی عمر اُس وقت کل پانچ برس کی تھی اور اسوجہ سے خاندان شاہی کے چند ممبر اس تجویز پر راضی نہ تھے۔ تاہم فضل کی بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی۔ ہارون نے تمام دربار سے امین کے لئے بیعت لی امین اگرچہ نہایت ذکی الطبع۔ فصیح۔ خوش تقریر۔ پاکیزہ رو۔ حور شمائل تھا۔ اسکے ساتھ اُسنے۔ نحو۔ ادب۔ فقہ۔ میں نہایت مہارت حاصل کی تھی۔ لیکن عیش طلب۔ اور راحت پسند تھا۔ ہارون کو بھی روز بروز اُسکی راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا۔ مامون کی ذاتی خوبیوں نے ہارون کو بالکل اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "میں مامون میں منصور کا حزم۔ مہدی کی متانت۔ ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں۔ اور اگر اپنے سے بھی اُسکو نسبت دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں"۔ میں نے "امین کو خلافت میں اُسپر ترجیح دی۔ حالانکہ مجکو معلوم ہے کہ وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع ہے۔ اور لونڈیاں اور عورتیں اسکی مشیر کار ہیں۔ اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنو ہاشم کا دباؤ نہ ہوتا تو میں مامون کو ترجیح دیتا[1]۔

ہارون نے ایک دن ابو عیسےٰ[1] اپنے چھوٹے بیٹے سے جو حسن و جمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا کہا۔ "کاش تیرا حسن مامون کو ملا ہوتا" خود مامون سے بھی وہ کہا کرتا تھا کہ "ساری خوبیاں تجھی میں ہوتیں تو خوب ہوتا اور اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو میں ابو عیسے کا حسن بھی تجھی کو دیتا"

---

[1] سیوطی صفحہ ۱۱۳ ۔ [2] ذراری صفحہ ۴ ۔ [3] تمام عباسی نسل میں خاندان خلافت۔ اور خاندان خلافت میں ابو عیسےٰ نہایت حسین اور صاحب جمال تھا۔ اسکے ساتھ شاعر نکتہ سنج اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ مامون الرشید کو ابو عیسے سے نہایت محبت تھی۔ علامہ آغانی نے لکھا ہے کہ مامون الرشید اپنے بعد اُسکو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ یوسف جمال مامون کی زندگی ہی میں مرگیا مامون نے کئی دن تک اُسکے غم میں کھانا نہیں کھایا۔ ۱۲

زبیدہ کو ان باتوں سے نہایت رنج ہوتا تھا۔ وہ ہارون کو طعنہ دیتی تھی کہ تم ایک کنیز زادہ کو میرے لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو۔ دونوں میں اکثر اس بات پر چشمکیں رہتی تھیں۔ اور چونکہ زبیدہ عام لیاقتوں میں بھی امین کو مامون سے کم درجہ پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہارون اکثر موقعوں پر دونوں کا امتحان لیتا تھا۔ اور نتیجہ امتحان پر زبیدہ کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ ایک دن اُس نے چند مسواکوں کی طرف اشارہ کرکے جو اُس کے پاس رکھی تھیں، امین سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ امین نے کہا "مساویک" یعنی مسواکیں۔ پھر اُس نے مامون کو بلاکر یہی سوال کیا اُس نے جواب دیا کہ " ضد محاسنك یا امیر المومنین "[1]

ایک اور دن ہارون نے دو خاص غلاموں سے کہا کہ امین سے تنہائی میں بطور خود پوچھ کہ جب خلافت آپ کو ملے گی تو حضور ہمارے ساتھ کیا سلوک فرمائیں گے۔ امین نے نہایت خوش ہوکر کہا کہ میں تم کو اس قدر انعام اور جاگیریں دوں گا کہ نہال ہو جاؤ گے۔ مگر جب مامون کے پاس گئے تو اُس نے دوات جس سے لکھ رہا تھا اٹھاکر اُس کے منہ پر پھینک ماری۔ اور کہا کہ " بدمعاش جس دن امیر المومنین نہوں گے تو ہم لوگ جی کر کیا کریں گے ہم انپر فدا نہ ہوجائیں گے "[1]۔

اسپر بھی ہارون امین کی ولیعہدی کو مسترد نہیں کرسکتا تھا۔ مامون کے لئے اتنا کیا کہ ۱۸۲ھ میں امین کے بعد اسکی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور سردست خراسان و ہمدان کے صوبہ جات کا گورنر مقرر کیا۔ تیسرے بیٹے قاسم کو جزیرہ ثغور و عواصم کی حکومت دی۔ اور مامون کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق نہ ثابت ہو تو وہ معزول کرسکتا ہے۔ اگرچہ ہارون نے اس طور پر ملک کی تقسیم کردی تھی۔ مگر وہ امین کی طرف سے مطمئن نہ تھا وہ جانتا تھا کہ امین خود غرض اور عیش پرست ہے اور چونکہ تمام عمائد بنی ہاشم اور افواج کا بڑا حصہ اُس کا طرفدار ہے اُس کو دوسروں کی حق تلفی پر بآسانی جرأت ہوسکتی ہے۔ اس خیال سے ۱۸۶ھ میں جب وہ مکہ معظمہ گیا تو امین کو تنہا خانہ کعبہ کے اندر لے جاکر فہمایش کی پھر مامون کو بلایا۔ اور اس سے بھی اس معاملہ کے متعلق دیر تک باتیں کیں اسکے بعد دونوں۔

---

[1] مرآة الجنان ترجمہ المامون ۱۲ منہ [1] رازی صفحہ ۸۴ ۔ ۱۲ منہ

سے جدا جدا معاہدے لکھوائے جن میں ہر ایک نے اُس تقسیم کو تسلیم کیا جو ہارون نے اُنکے لیے تجویز کی تھی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ تقسیم کی رو سے مامون کو جو ممالک ملے اُس میں کرمان شاہ۔ نہاوند۔ قم۔ کاشان۔ اصفہان۔ فارس۔ کرمان۔ رے۔ قومس طبرستان۔ خراسان۔ زابل۔ کابل۔ ہندوستان۔ ماوراالنہر۔ ترکستان داخل تھے۔ امین کو۔ بغداد۔ واسط۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شامات۔ سواد عراق۔ موصل جزیرہ حجاز۔ مصر۔ اور بغداد کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی۔ اس معاہدے پر دونوں سے دستخط کرائے اور وہ ایک جم غفیر کے سامنے جس میں یحییٰ برمکی وزیر السلطنت۔ جعفر بن یحییٰ۔ فضل بن الربیع حاجب۔ اور خاندان خلافت کے تمام اعیان اور فقہا و علما شامل تھے۔ باآواز بلند پڑھکر سنایا گیا۔ تمام حاضرین نے بطور شہادت کے اُسپر دستخط کئے اور جب ہر طرح سے مصدق ہوگیا سونے کے نلوے میں جو زمرد و یاقوت سے مرصع تھا رکھکر حرم کعبہ میں دروازے کے اوپر آویزاں کیا گیا۔ کعبہ کے دربانوں سے حلف لیا گیا کہ اسکی نہایت احتیاط کرینگے۔ اور حج کے زمانہ میں کسی منظر عام پر وہ آویزاں کردیا جاویگا اگرچہ یہ معاہدے نہایت طولانی اور بالکل فضول باتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمام تحریر میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے کوئی دقیق پولیٹکل خیال پیدا ہو۔ تاہم اس خیال سے کہ وہ ایک قدیم زمانہ کی تحریر ہے اور اُس سے اس وقت کے عام خیالات اور طریق معاملات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم بجنسہ اُسکا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔[1]

دستاویز جو امین نے لکھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ایک تحریر ہے جسکو محمد بن امیر المومنین ہارون نے امیر المومنین ہارون کے لئے لکھا۔ بحالت ثبات عقل صحت جسم۔ درستی فعل۔ اطاعت منداتہ بلا جبر و اکراہ کہ مجکو امیر المومنین

[1] علامہ ازرقی نے جو ۲۲۳ھ میں موجود تھا ان دونوں معاہدوں کو تمامہا تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے۔ دیکھو تاریخ مذکور از صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۶۔ مطبوعہ جرمن مقام لیپزک۔ ابن واضح کاتب عباسی نے بھی ان معاہدوں کو اپنی تاریخ میں قدرا اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲ منہ

ہارون سے ولیعہد سلطنت کیا ہے۔ اور عموماً تمام مسلمانوں پر میری بیعت لازم کی میرے بھائی عبداللہ بن امیر المومنین کو میرے بعد میری رضامندی سے نہ جبر و اکراہ سے۔ خلافت اور ولیعہدی۔ اور مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ کی افسری حاصل ہوگی۔ اور اُسکو امیر المومنین نے اپنی زندگی میں اور اپنے بعد خراسان اور اُسکے اضلاع و فوج و خراج و محکمہ ڈاک۔ و پرچہ لیس و بیت المال۔ و بیت الصدقہ۔ و عشر و عشور کی ولایت دی ہے۔ پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ امیر المومنین نے بیعت و خلافت و ولیعہدی۔ اور مسلمانوں کے عام معاملات کی افسری میرے بھائی عبداللہ کو دی ہے۔ میں ان سب امور کو تسلیم کروں گا۔ خراسان اور اُس کے اضلاع کی حکومت جو اُس کو امیر المومنین نے عطا کی ہے۔ یا زمین خاصہ میں سے جو جاگیریں اُس کو دی ہیں۔ یا کوئی جائداد خاص کر دی ہے۔ یا کوئی زمین یا جاگیر اُس کو خرید دی ہے اور جو چیزیں اپنی زندگی میں بحالت صحت از قسم مال و جواہرات و اسباب و کپڑے و غلام و مویشی۔ کم ہوں خواہ زیادہ اُسکو عنایت کی ہیں۔ وہ سب عبداللہ بن امیر المومنین کی ہیں۔ جو اُسکے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے اور جس میں کچھ عذر نہیں ہے۔ اور میں نے اور عبداللہ بن امیر المومنین نے ان تمام چیزوں کو ایک ایک کرکے بقید نام و نشان و جگہ جان لیا ہے۔ اور اگر ہم دونوں میں سے کسی چیز کی نسبت ان چیزوں میں اختلاف رائے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا۔ میں اُن چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنا مال نہ قرار دوں گا۔ نہ اُس سے چھینوں گا۔ نہ کم کرونگا وہ شے خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی۔ اور نہ ولایت خراسان نہ اور کسی صوبے سے جس کی حکومت امیر المومنین نے اُسکو دی ہے مجکو کچھ بحث ہوگی۔ میں عبداللہ کو اُن صوبوں سے نہ معزول کروں گا۔ نہ خلع بیعت کرونگا۔ نہ کسی اور کو اُسکا قائم مقام کرونگا نہ کسی اور شخص کو ولیعہدی اور خلافت میں اُسپر مقدم کرونگا۔ نہ اُسکی جان۔ یا خون۔ یا صورت۔ یا ایک سر مو کو ضرر پہنچاؤں گا نہ اُس کے جزئی یا کلی امور میں۔ یا حکومت۔ مال و جاگیر و زمین خاصہ کے متعلق۔ کوئی رنج وہ بات کروں گا۔ کسی وجہ سے اُسکی کسی چیز میں تبدیلی نہ کروں گا۔ نہ اُس سے نہ اُسکے عمال سے نہ اسکے منشیوں سے کچھ حساب کتاب سمجھونگا خراسان اور اُسکے صوبوں اور ان علاقوں میں جس کی حکومت امیر المومنین نے اپنی زندگی میں و حالت صحت میں اُسکو دی ہے

جو کچھ انتظامات خود اُس نے یا اُسکے عمال نے کئے ہونگے مثلاً خراج۔ خزانہ۔ طراز۔ ڈاک
صدقات۔ عشر۔ عشور۔ وغیرہ۔ اُسکے درپے نہ ہونگا۔ اور نہ کسی اور کو اجازت یا حکم دونگا۔ نہ ایسا
خیال دل میں لاؤں گا نہ اپنے لئے وہاں کوئی جاگیر کی زمین طلب کرونگا۔ اور امیر المومنین ہارون
نے جو کچھ زمان خلافت میں اُسکو عطا کیا ہے جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور جسپر مجھسے اور
عام لوگوں سے بیعت لی گئی ہے۔ اس میں کچھ کمی نہ کروں گا۔ نہ اور کسی کو اجازت دوں گا کہ اس
سے تعرض کرے۔ یا اُس کا مخالف بنے۔ یا اُس کی بیعت کو توڑے۔ اسبارہ میں کسی شخص کی
خلق اللہ میں سے کوئی بات نہ سنوں گا۔ نہ اُسپر ظاہر یا باطن میں راضی ہونگا۔ نہ اُس سے
چشم پوشی کروں گا نہ غفلت کرونگا اور نہ کسی نیک آدمی سے نہ بد سے نہ سچے شخص سے نہ جھوٹے
سے نہ ناصح سے نہ فریب دہندہ سے نہ قریب سے نہ بعید سے۔ نہ اولاد آدم میں سے کسی
شخص سے نہ مرد سے نہ عورت سے کوئی ایسا مشورہ۔ یا فریب یا حیلہ۔ کسی بات میں۔ ظاہر
یا باطن میں۔ حق یا باطل میں قبول کروں گا جس سے کسی معاہدہ یا شرط کا فاسد کرنا مقصود
ہو۔ جو میں نے عبداللہ بن امیر المومنین سے کی ہے۔ اور جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے
اور اگر کوئی شخص عبداللہ سے بُرائی کا ارادہ کرے۔ یا ضرر پہنچانا چاہے۔ یا اُسکی بیعت
توڑنا چاہے یا اُس سے ارادہ جنگ کرے۔ یا اُسکی جان۔ یا جسم۔ یا سلطنت۔ یا مال۔ یا حکومت
میں مجتمعہ۔ یا تنہا ظاہر یا باطن میں کچھ تعرض کرنا چاہے تو میرا فرض ہو گا کہ اُسکی مدد کروں
اور حفاظت کروں۔ اور جو اپنی جان و جسم و مال و خون و چہرہ و حرم و حکومت سے دفع
کروں وہ اُس سے بھی دفع کروں اور اُسکی اعانت کو لشکر بھیجوں۔ اور ہر مخالف کے
مقابلہ میں اُسکی مدد کروں۔ اور نہ چھوڑ دوں اُسکو اور نہ الگ ہو جاؤں اُس سے اور جب
تک میں زندہ ہوں اس بارہ میں اُس کے کام کو اپنا کام سمجھوں گا۔ اور اگر امیر المومنین
کو موت آجائے اور میں اور عبداللہ بن امیر المومنین اُس وقت امیر المومنین کے پاس
موجود ہوں۔ یا ہم میں سے صرف ایک شخص حاضر ہو۔ یا کوئی نہ حاضر ہو۔ ایک ہی جگہ ہوں
یا مختلف مقامات میں۔ اور عبداللہ بن امیر المومنین۔ خراسان کے علاقہ حکومت میں نہ ہو
تو میرا فرض ہو گا کہ اُس کو خراسان روانہ کروں۔ اور وہاں کی حکومت و صوبے و فوج

اُس کے حوالے کروں۔ میں اُس میں نہ تاخیر کروں گا۔ نہ اُس کو روکوں گا۔ نہ اپنے سامنے نہ کسی اور شہر میں خراسان کے اِدہر اور فوراً اسکو روانہ کرونگا۔ خراسان اور اسکے مضافات کا حاکم کرکے مستقل طور پر بغیر اسکے کہ کسیکو اُس کا شریک کروں۔ اور ان سب لوگوں کو بھی اُس کے ساتھہ کروں گا جن کو امیر المومنین ہارون نے عبد اللہ کی ہمراہی میں مخصوص کیا از قسم افسران فوج۔ ولشکر وندیم ومنشی وعمال وغلام۔ وخدام۔ اور جو اُس کے ہمراہ ہوں مع اُن کے اہل وعیال کے۔ ان میں سے میں کسی کو نہ روکوں گا۔ اور نہ کسی کو اسمیں شریک کروں گا۔ میں عبد اللہ پر نہ کوئی امین بھیجوں گا۔ نہ پرچہ نویس۔ نہ بندار۔ اور نہ قلیل یا کثیر میں اُس کا ہاتھ پکڑوں گا۔

جو کچھ اس تحریر میں میں نے شرطیں کیں۔ اور جو کچھ لکھا ہے۔ اُن کی نسبت امیر المومنین ہارون کو اور عبد اللہ بن امیر المومنین کو ذمہ دیتا ہوں خدا کا اور امیر المومنین کا اور اپنا اور اپنے آبا واجداد کا۔ اور تمام مسلمانوں کا۔ اور وہ سخت عہد جو خدا نے انبیا اور مرسلین اور عامہ خلائق سے لئے ہیں۔ اور اس قسم کے عہد ومیثاق اور قسمیں جن کے پورے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اور جس کے توڑنے اور بدلنے سے ممانعت کی ہے۔ پہر اگر میں توڑ دوں کوئی شرط جو میں نے امیر المومنین ہارون اور عبد اللہ بن امیر المومنین سے کی ہے اور جسکا اس تحریر میں ذکر ہے۔ یا خیال کروں اُس چیز کے توڑنے کا جسپر میں قائم ہوں۔ یا اُسکو بدلوں۔ یا خیال کروں یا بدعہدی کروں۔ یا کسی شخص سے چہوٹے یا بڑے۔ نیک یا گنہگار۔ مرد۔ یا عورت جماعت یا تنہا کسی سے کوئی بات اُسکے خلاف قبول کروں تو میں بری ہوں۔ خدائے عزوجل سے اور اس کی ولایت سے اور اس کے دین سے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن مشرک ہوکر خدا سے ملوں۔ اور ہر ایک عورت جو آج میرے عقد نکاح میں ہے یا آیندہ تیس برس تک میرے عقد نکاح میں آئے۔ مطلقہ ہو تین طلاق سے طلاق الحرج۔ اور مجھپر فرض ہو گا بیت اللہ کو ننگے پاؤں پیادہ جانا تیس حج کہ جو مجھپر نذراور واجب ہونگے۔ خدا نہ قبول کرے مگر اُسکا پورا کرنا۔ اور جو مال آج میرا ہے یا جسکو میں تیس برس تک حاصل کروں وہ کعبہ کے لئے مجکو بطور ہدیہ کے بہیجنا ضرور ہو گا۔ اور

جتنے غلام آج میرے مملوک ہیں یا آیندہ تیس برس تک ہوں سب آزاد ہونگے۔ اور جو کچھ میں نے ہارون امیر المومنین اور عبداللہ بن امیر المومنین کے لئے لکھا ہے اور شرط کی ہے اور قسم کھائی ہے اور اس تحریر میں ذکر کیا ہے مجکو اسکا پورا کرنا لازم ہوگا۔ میں اسکے خلاف دل میں کوئی خیال نہ لاؤں گا۔ اور اُس کے سوا نیت نہ کروں گا۔ اور اگر دل میں ایسا خیال لاؤں یا کچھ اور نیت کروں تو یہ عہد و پیمان اور قسمیں سب مجھپر لازم اور واجب ہوں گی۔ اور امیر المومنین کے افسران فوج اور خود لشکر۔ اور تمام شہروں کے لوگ اور عام مسلمان۔ سب میرے عہد بیعت و خلافت و ولایت سے بری ہوں گے۔ اور میرے خلع بیعت سے اُنپر کچھ حق مواخذہ نہ ہوگا حتی کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہوں گا۔ مجکو اُن لوگوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔ نہ ولایت نہ اطاعت۔ نہ بیعت۔ اور اُن لوگوں کو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور عہدوں کا توڑنا جائز ہوگا جو انھوں نے میرے حق میں کھے ہیں[1]

مامون نے بھی ایک ایسی ہی دستاویز لکھی یا اس کی طرف سے لکھی گئی جسکا خلاصہ یہ ہے

کہ امیر المومنین ہارون نے مجکو امین کے بعد ولیعہد کیا۔ اور امین نے ایک دستاویز لکھی جسمیں اُس نے میرے حقوق کو اس تفصیل سے تسلیم کیا اور اُسپر قسم کھائی میں بھی امین کی اطاعت کروں گا اور اگر فوج وغیرہ کی مدد چاہے گا تو کافی اعانت کروں گا۔ جب تک کہ وہ اپنے اقرار سے نہ پھرے اور اگر امین چاہے گا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد کرے تو میں اُس کو تسلیم کروں گا۔ بشرطیکہ امین میرے حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن اگر خود امیر المومنین ہارون اپنے فرزندوں میں سے کسیکو میرے بعد ولیعہد قرار دیں تو مجکو اور امین کو تسلیم کرنا لازم ہوگا

اب تک تو بظاہر امین و مامون۔ ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے حصہ دار تھے۔ مگر متعدد تجربوں نے ثابت کر دیا تھا کہ امین۔ خلافت کے بوجھ کو کسی طرح سنبھال نہیں سکتا اسی خیال

[1] اس معاہدے پر ۳۰ بڑے بڑے عمائد و اعیان کے دستخط ہیں جنکی تفصیل کے خوف سے اُن کے نام نہیں لکھے ۱۲

ہارون نے اس کے اختیارات کم کرنے شروع کئے اسی کے ساتھ مامون کو ہر موقع پر ترجیح دی۔ اور گویا طریق عمل سے بتا دیا کہ خلافت اعظم کا مستحق مامون ہے۔ نیز امین ۔ ۱۸۹ھ میں بمقام قرماسین علی رؤس الاشہاد ظاہر کیا کہ مال۔ خزانہ اسلحہ۔ اسباب جو کچھ ہے مامون کا ہے۔ پھر تمام دربار سے کہا کہ "تم لوگ اسپر گواہ رہو" ۱۹۰ھ میں جب روم پر حملہ آور ہوا تو شہر رقہ پر جسکو بجائے بغداد کے دارالخلافہ قرار دیا تھا۔ مامون کو اپنا جانشین کر گیا اور تبرکاً خلیفہ منصور کی خاتم خلافت بھی عنایت کی۔ امین ان کارروائیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مگر کچھ کر نہ سکتا تھا ۱۹۳ھ میں خراسان کے بعض اضلاع میں بغاوت برپا ہوئی۔ جسکے فرو کرنے کو ہارون خود روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہوا اور تمام ملک میں یہ خبر عام ہوگئی۔ امین کی سازش کے لئے یہ ایک عمدہ موقع تھا۔ کیونکہ دربار میں جتنے صاحب منصب تھے سب اسکے طرفدار تھے۔ اور خصوصاً وزیر اعظم فضل بن الربیع تو گویا امین کا دست و بازو تھا وہ عرب کی نسل سے تھا۔ اور امین نے اسی کے اہتمام میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ہارون کے ساتھ اس وقت اگرچہ امین و مامون۔ دونوں میں سے کوئی نہ تھا مگر فضل بن الربیع کی وجہ سے دربار پر امین کا اثر غالب تھا۔ ہارون کی بیماری کی خبر سنکر امین نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا اور بہت سے خطوط دیئے۔ جو اہل دربار کے نام تھے۔

ہارون الرشید نے اسی مرض میں ۳ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں انتقال کیا۔

اسکے مرنے کے بعد قاصد نے امین کے خطوط جنکا مشترک مضمون یہ تھا کہ "فوج مع تمام خزانہ و سلاح و اسباب کے دارالخلافہ بغداد میں حاضر ہو" تمام درباریوں کو حوالہ کئے۔ افسران فوج اور بعض عمائد اس حکم کی تعمیل میں کسی قدر متامل ہوئے۔ لیکن فضل بن الربیع وہ شخص تھا کہ سارا دربار اسکے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ اس نے لوگوں کو یقین دلا دیا کہ "امین کے سامنے جو خاص دارالخلافہ پر قابض ہے۔ مامون کو ہرگز فروغ نہیں ہو سکتا"۔ چونکہ فوج بھی سکونت کے تعلق سے بغداد ہی کی طرف مائل تھی۔ امین اپنی تدبیر میں پورا کامیاب ہوا مامون کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فوج و حشم ایک طرف خزانہ عامرہ میں سے جسمیں اسباب و جواہرات کے علاوہ پچاس کروڑ کے صرف درہم و دینار تھے۔ اسکو ایک حبہ بھی

نصیب نہ ہوا۔ غرض متفقًا سب نے بغداد کا رُخ کیا۔ مامون اُس وقت مرو میں تھا۔ جب یہ خبر پہونچی تو اراکین دربار کو جمع کیا اور صلاح پوچھی۔ سب نے بڑے جوش سے کہا کہ دو ہزار سوار ساتھ ہوں تو ہم شاہی فوج کو بزور واپس لا سکتے ہیں۔" مگر فضل بن سہل نے جو وزارت اعظم کے پایہ پر ممتاز تھا۔ مامون کو الگ لے جا کر کہا کہ یہ گنتی کے آدمی۔ شاہی فوج پر جسکا شمار نہیں ہو سکتا فتح تو کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ جب شکست کھا کر، جان سے نا امید ہونگے تو حضور کو امین کے حوالہ کر دیں گے کہ اس کارگذاری کے صلہ میں اپنی جانیں بچالیں۔ اگر یہی منظور ہے تو خط بھیجکر پہلے فوج کا عندیہ دریافت کر لیا جائے۔" دو خاص خادم یہ نامے لیکر گئے۔ فضل بن الربیع نے خط پڑھکر کہا "میں تو رائے عام کا پابند ہوں جس طرف سب ہونگے میں بھی ہونگا" لیکن عبدالرحمن ایک افسر فوج نے قاصدوں کے پہلو پر نیزہ رکھکر کہا کہ "تمھارا آقا ہوتا تو یہ برچھی اُسکے پہلو سے پار ہو چکی ہوتی"۔ اب مامون کو چند در چند مشکلوں کا سامنا تھا۔ ادہر تو اُسکے مالی اور فوجی دونوں بازو ضعیف تھے۔ اُدہر یہ ڈہنگ دیکھکر خراسان کی اکثر سرحدی ریاستیں بغاوت پر کمر بستہ ہو گئیں۔ مامون خلافت سے یک لخت مایوس ہو گیا اور اگر فضل بن سہل نے نہایت استقلال سے اُسکو تسکین نہ دی ہوتی تو غالبًا وہ حکومت سے دست بردار ہو جاتا۔ اُس نے فضل سے صریح لفظوں میں کہدیا کہ "سلطنت مجھ سے نہیں سنبھل سکتی تم سیاہ و سفید کے مالک ہو۔ اور میں عنان حکومت تمھارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔"

فضل کو بظاہر کوئی سہارا نہ تھا۔ اُس نے مامون کے افسران فوج سے جب اعانت کی درخواست کی تو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا کہ "حاشا! ایسے دو بھائیوں کے معاملہ میں کون دخل دے سکتا ہے"۔ تاہم فضل کے عزم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا اُس نے اپنے منصوبہ اور پیش بینی دل سے یہی صدا سُنی کہ وہ مامون ضرور کامیاب ہو گا۔ مامون کے ساتھ اگرچہ فوجی جمعیت بہت کم تھی۔ لیکن علماء و فضلا کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ جو اس کی علمی مجلسوں کو رونق دیتا تھا۔ اور جن کے زہد و تقوے کا ملک پر بڑا اثر تھا۔ فضل نے ان مذہبی جنرلوں سے جو کام لیا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ تمام اطراف و دیار میں پھیل گئے اور وعظ و افتا کے ذریعہ سے وہ اقتدار

حاصل کیا کہ اُن کی ایک صدا پر ملک کا ملک اُمنڈ آیا۔

مامون نے خود بھی فصل خصومات اور شاہانہ فیاضیوں سے ایسا حسن قبول حاصل کیا کہ اُس کے عدل و انصاف کے گھر گھر چرچے تھے خصوصاً خراسان کا ایک چوتھائی خراج معاف کر دینے سے۔ تمام ملک اُس کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہو گیا اور بڑے جوش سے یہ صدائیں بلند ہوئیں کہ "کیوں نہ ہو! ہمارا بھانجا۔ اور ہمارے پیغمبر صلعم کے چچا کا بیٹا ہے"۔ چونکہ مامون کی ماں عجمی تھی۔ اس لئے تمام ایرانی اُسکو اپنا بھانجا کہتے تھے۔

مامون و امین کی مخالفت

امین کو اس کامیابی کے بعد مامون سے کچھ بحث نہیں رہی تھی۔ اُس نے تخت نشینی کے دوسرے ہی دن قصر المنصور کے سامنے ایک گیند گھر طیار کرایا۔ فرامین بھیجے کہ قوال مسخرے۔ ارباب نشاط جہاں جہاں ہوں اُن کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں اور دار الخلافہ کو روانہ کئے جائیں۔ ہاتھی۔ عقاب۔ سانپ۔ شیر۔ گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں۔ اور ان میں بیٹھکر عالم آب کی سیر کرتا تھا۔ ان صحبتوں میں اُس کو مامون کا خیال بھی نہیں رہا۔ لیکن فضل بن الربیع جو مامون کی ناکامی کا اصلی باعث تھا اور انہیں کارروائیوں کے صلے میں وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ مامون کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس نے امین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ "مامون خلافت سے معزول کر دیا جائے"۔ امین نے پہلے تو انکار کیا۔ مگر فضل نے کہا کہ "اول جو بیعت تمام ملک سے لی گئی۔ وہ آپ کے لئے تھی اور غیر مشترک تھی۔ پھر ہارون الرشید کو اُس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کیا اختیار تھا" یہ بات امین کے دل میں اُتر گئی۔ اور اس پر آمادہ ہوا کہ مامون کو معزول کر کے موسے کے لئے جو اُس کا صغیر السن لڑکا تھا۔ بیعت لے۔ دربار میں اگرچہ زیادہ وہی لوگ تھے جو امین کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے تاہم جب عام دربار سے رائے طلب ہوئی تو عبداللہ بن حازم نے بے باکانہ کہا کہ "اسلام میں آجتک کسی نے عہد شکنی نہیں کی

آپ یاد رکھیں کہ اُسکی تاریخ آپ کے عہد سے شروع ہوتی ہے"

امین نے خفا ہوکر کہا کہ "چپ رہ عبدالملک تجھ سے زیادہ عاقل تھا" اُس کا قول ہے کہ "ایک جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے" پھر افسران فوج طلب ہوئے خزیمہ نے صاف مخالفت کی۔ اور کہا کہ "اگر آپ مامون کی بیعت توڑتے ہیں۔ تو ہم سے بھی اپنی نسبت کچھ امید نہ رکھئے۔

امین اُسوقت اس ارادے سے باز رہا۔ مگر فضل بن الربیع کا جادو بے اثر نہیں جا سکتا تھا۔ چند روزوں کے بعد تمام ملک میں احکام بھیجدیئے کہ خطبوں میں مامون کے بعد موسےٰ کا نام پڑھا جاوے۔ مامون اپنی قوت کا اندازہ کرچکا تھا اب اُسنے علانیہ مخالف کارروائیاں شروع کیں۔

امین نے جب شاہزادہ عباس کو مامون کے پاس سفیر کرکے بھیجا کہ موسیٰ کی ولیعہدی تسلیم کرے تو اُسنے صاف انکار کیا۔ اسی طرح امین نے خراسان کے بعض اضلاع طلب کئے تو مامون نے قاصدوں سے کہدیا کہ "امین کو اس قسم کی خواہشوں سے باز آنا چاہیئے"

یہ کارروائیاں گویا دیباچہ جنگ تھیں اور اس وجہ سے مامون نے احتیاطاً تمام ممالک میں فرامین بھیجے کہ کوئی شخص جب تک سند اجازت نہ رکھتا ہو یا مشہور تاجر نہ ہو ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ فوجی افسروں کو تاکید لکھی کہ سرحدی مقامات پر معمول سے زیادہ فوج وسامان طیار رہے۔ طاہر بن حسین کو روانہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہووے پہونچکر دشمن کا سدراہ ہو۔

مامون پر فوج کشی ۱۹۵ھ

امین تو بہانہ ڈھونڈھتا تھا۔ مامون کی گستاخیاں اشتہار جنگ کے لئے اور بھی محرک ہوئیں امین نے وہ دستاویزیں جو معاہدہ بیعت کی نسبت لکھی گئی تھیں۔ مکہ معظمہ سے منگوا کر چاک کرڈالیں۔ اور موسےٰ اپنے بیٹے کو جو ہنوز پنج سالہ لڑکا تھا۔ ناطق بالحق کا خطاب دیا۔ عمال کو تاکیدی فرمان بھیجے کہ خطبوں میں مامون کے بجائے موسےٰ کا نام پڑھا جاوے

فوج کو طیاری کا حکم دیا۔ سپہ سالار فوج علی بن عیسے کو دو لاکھ دینار انعام میں دلوائے۔ اور سات ہزار مغرق خلعتیں معمولی افسروں کو تقسیم کیں۔ کوچ کے دن فوج اس سرو سامان سے آراستہ ہو کر نکلی کہ بغداد کے بڑے بڑے معمر اور سن رسیدہ جو فوجی جاہ وحشم کے ہزاروں تماشے دیکھ چکے تھے حیرت زدہ رہ گئے۔ علی بن عیسے روانگی کے وقت زبیدہ خاتون (امین کی ماں) سے رخصت ہونے گیا۔ زبیدہ نے چاندی کی ایک زنجیر منگا کر دی کہ مامون گرفتار ہو تو اس میں مقید کر کے لانا۔ اسکے ساتھ یہ نصیحتیں کیں کہ گو امین اگرچہ میرا لخت جگر ہے تاہم مامون کا بھی مجھ پر بہت کچھ حق ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس کا بیٹا اور کس کا بھائی ہے۔ گرفتار ہو تو پاس ادب ملحوظ رکھنا۔ سخت کہے تو برداشت کرنا۔ راہ میں رکاب تھام کر چلنا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تو جانتا ہے کہ اس کا کیا مرتبہ ہے یاد رکھ کہ تو اُس کا کسیطرح ہمسر نہیں ہوسکتا۔ غرض علی پچاس ہزار فوج سے کر رے کی طرف بڑھا۔ راہ میں جو قافلے ملتے تھے بمتفق اللفظ بیان کرتے تھے کہ طاہر رے میں بڑی طیاریاں کر رہا ہے۔ مگر علی کثرت فوج پر اس قدر مغرور تھا کہ اسکو مطلق پروا نہ تھی۔ وہ برابر بڑھتا ہوا رے کی حد تک پہونچ گیا۔ طاہر کو لوگوں نے رائے دی کہ شہر میں رہ کر علی کا مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی مختصر فوج میدان میں کام نہیں دے سکتی۔ طاہر نے کہا کہ وہ اگر دشمن کی فوجیں شہر پناہ تک پہونچ گئیں تو اُس کا ظاہری غلبہ دیکھکر خود شہر والے سپر ٹوٹ پڑیں گے۔ طاہر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا۔ علی بھی قریب پہونچ گیا تھا۔ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ علی کی فوج نہایت ترتیب سے بڑھی۔ سب سے آگے زرہ پوشوں کا رسالہ تھا۔ پیچھے سو سو قدم کے فاصلے پر دس علم۔ اور ہر علم کے نیچے سو سوار تھے۔ علموں کے پیچھے خاص شاہی گارد تھا جس کے قلب میں علی تھا اور اُسکے پہلو میں بڑے بڑے تجربہ کار افسر تھے۔ طاہر کی فوج گو نہایت مختصر تھی مگر اُسکے پُرزور خطبوں نے ہر شخص میں وہ جوش بھر دیا تھا کہ دشمن کی کثرت فوج کا کسیکو خیال ہی نہ تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے صف سے نکلکر لڑائی کی ابتدا کی وہ حاتم طائی۔ علی کی فوج کا ایک نامور بہادر تھا۔ طاہر نے یہ انتظار نہ کیا کہ اُسی کے رتبہ کا کوئی سوار اُسکے مقابل ہو۔

اس کو صرف اپنے زور بازو پر اعتماد تھا خود مقابلہ کو نکلا اور جوش غضب میں آکر دونوں ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب نے حاتم کا فیصلہ کر دیا اسی کے صلہ میں زبان خلائق سے اس کو ذوالیمینین کا لقب ملا یعنی "دائیں ہاتھوں والا"

اب عام لڑائی شروع ہوئی۔ علی کی فوج نے طاہر کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ طاہر کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ تاہم وہ بذات خود ثابت قدم رہا۔ اور دوبارہ فوج کو ترتیب دے کر اہل عَلَم پر حملہ آور ہوا۔ اس کے پے در پے حملوں نے عَلَم برداروں کی صفیں الٹ دیں۔ پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہو گئی۔ علی نے ہزار سنبھالا مگر سنبھل نہ سکی۔ اسی ہنگامہ میں دفعتًا ایک تیر آکر لگا۔ اور علی کا خاتمہ ہو گیا۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی۔ اور مامون کو ان مختصر لفظوں میں نامۂ فتح لکھا۔ کتابی الی امیر المؤمنین وراس علی بین یدی وخاتمہ فی اصبعی وجندہ مصرفون تحت امری یعنی میں امیر المومنین کو خط لکھ رہا ہوں۔ اور علی کا سر میرے سامنے ہے اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے۔ اور اس کی فوجیں میرے زیر حکومت ہیں۔

قاصدوں نے رے سے مرو تک کی مسافت جو ڈھائی سو فرسنگ سے کم نہ تھی تین دن میں طے کی۔ اور چوتھے دن مامون کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دو دن کے بعد علی کا سر پہونچا۔ بنظر عبرت تمام خراسان میں تشہیر کیا گیا۔

امین حوض کے کنارے کوثر اپنے پیارے غلام کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ حوض میں رنگ برنگ کی مچھلیاں پڑی تھیں۔ جنکو سونے کی نتھنیاں پہنائی تھیں نتھنیوں میں بیش قیمت موتی پڑے تھے کہ جس کے شکار میں جو مچھلی آئے موتی بھی اسی کو ملے۔

امین خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ حیث اس کے کنارے شکار کھیلا کرتا تھا۔ آج بھی وہ اسی شغل میں تھا کہ دفعتًہ مسرور نے فوج کی شکست اور علی کے مارے جانے کی خبر سنائی۔ امین نے جھلا کر کہا چپ بھی رہ کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے۔ اور مجکو صبح سے ابتک ایک بھی نہیں ملی۔" شکار سے فارغ ہوا تو فضل بن الربیع کو طلب کیا اس نے شکست کی یہ تلافی کی کہ مامون کے وکیل کو جو بغداد میں رہتا تھا پکڑ بلایا۔ اور مال و اسباب کے علاوہ دس لاکھ

روپے وصول کئے۔

امین نے ایک اور فوج طیار کی جس کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی عبدالرحمٰن سپہ سالار مقرر ہوا۔ اس زمانہ میں طاہر ہمدان کے قریب مقیم تھا۔ یہ فوج بھی ہمدان کی سرحد پر پہونچکر ٹھہری۔ عبدالرحمٰن نے اس شہر کو صدر مقام قرار دیا اور ضروری موقعوں پر سوار و پیادے متعین کئے۔ طاہر نے شہر پر حملہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ آخر عبدالرحمٰن امن کا طالب ہوا اور شہر چھوڑ کر کسی طرف نکل گیا۔ طاہر قزوین پر بڑھا۔ یہاں کا عامل جس کا نام کثیر تھا۔ اس کی آمد کی خبر سنکر پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ قزوین پر تو قبضہ ہو گیا۔ مگر دفعۃً عبدالرحمٰن ایک فوج عظیم لے کر پہونچا۔ اور اس تیزی سے حملہ آور ہوا کہ طاہر کی فوجیں ہتھیار بھی نہ سنبھال سکیں۔ صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی اتنی فرصت پا کر سواروں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور سخت معرکہ ہوا عبدالرحمٰن کی فوج نے شکست کھائی۔ تاہم وہ خود ثابت قدم رہا اور جب اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ”اب لڑنا بے سود ہے۔ بھاگ چلئے“ تو اُس نے نہایت غیظ سے کہا کہ ”میں خلیفہ امین کو شکست کھایا ہوا منہ دکھانا نہیں چاہتا“ نہایت بہادری سے لڑا اور مارا گیا۔

اس فتح نے دور دور تک طاہر کا سکہ بٹھا دیا جبل کے تمام علاقے اس کے قبضہ میں آ گئے۔ تاہم یہ شکستیں امین کے حوصلہ کو پست نہ کر سکیں۔ اُس نے ایک اور عظیم الشان فوج آراستہ کی جو تعداد میں کم و بیش چالیس ہزار تھی سپہ سالار دو مقرر کئے جو دولت عباسیہ کے مشہور اور نامور افسر تھے یعنی احمد بن زید۔ و عبدالرحمٰن بن حمید۔ طاہر ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس بات کو وہ خود بھی سمجھ گیا تھا۔ اب اس نے تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا۔ جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں افسروں میں پھوٹ ڈالدی اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ خود یہ دونوں آپس میں لڑ گئے۔ مدت تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ اور جس طاقت سے طاہر کے مقابلے کو آئے تھے باہم دگر صرف کر کے بغداد واپس گئے۔

اِن فتوحات نے ماموں کی امیدیں وسیع کر دیں۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا

اور درباریوں کو بڑے بڑے عہدے دے۔ فضل کو اُن تمام ممالک کا گورنر مقرر کیا۔ جو ہمدان سے تبت تک طول میں۔ اور بحر فارس سے جرجان و بحر دیلم تک عرض میں خاص خلافت مامونیہ کے زیر نگیں تھے۔ اس کے ساتھ ذوالریاستین کا لقب دیا اور تیس لاکھ درہم ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اسی طرح حسن بن سہل کو وزیر الخراج۔ علی بن ہشام کو وزیر الحرب۔ نعیم کو وزیر القلم مقرر کیا۔

اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان وغیرہ

طاہر خود شلاشان میں ٹھہرا۔ اور رستمی کو اہواز پر بھیجا۔ محمد بن یزید بن حاتم المہلبی جو امین کا عامل تھا۔ اسی اطراف میں موجود تھا۔ رستمی کی آمد سنکر اہواز پہونچا۔ اور قلعہ بندی شروع کی۔ مگر اُس کے دوسرے ہی دن رستمی اور قریش رجس کو طاہر نے ایک فوج گراں کے ساتھ رستمی کی مدد کو بھیجا تھا۔ پہونچے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ محمد کی فوج نے شکست کھائی۔ مگر وہ خود چند جان نثار غلاموں کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہا۔ اگرچہ فتح سے ناامید ہوچکا تھا۔ تاہم اُس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو بھاگ گئے اُنکے واپس پھرنے کی امید نہیں جو ساتھ ہیں اُن کا ثابت قدم رہنا یقینی نہیں ہیں تو لڑکر مارا جاؤں گا تم کو اجازت ہے جدھر چاہو چلے جاؤ میں تمھارے مرنے سے بہرحال تمہارا زندہ رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں سب نے متفق اللفظ کہا کہ آپکے بعد دنیا اور زندگی دونوں پر لعنت ہے۔ محمد اور اُس کے جاں نثار غلام گھوڑوں سے اتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوے۔ اگرچہ محمد نے طاہر کے بہت سے آدمی ضائع کئے مگر خود جانبر نہ ہوسکا۔ محمد عرب کے مشہور خاندان آل مہلب سے تھا جس کی دلیری اور بہادری عرب کے کارناموں میں ضرب المثل کی طرح مشہور رہے۔ اور چونکہ وہ خود بھی نہایت شجاع اور یادگار سلف تھا طاہر کو بھی اس کے مارے جانے کا افسوس رہا۔ اس فتح نے اہواز۔ یمامہ۔ بحرین۔ عمان تک مطلع صاف کردیا۔ اور یہ تمام علاقے طاہر کے قبضہ میں آگئے۔ اب وہ واسط کی طرف بڑھا۔ یہاں کا عامل پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل کے عاملوں نے خود طاہر کے پاس اطاعت کے خطوط بھیجے اور رجب سنہ ۱۹۶ھ تک طاہر کی فتوحات سے

صرف بغداد اور اس کے متعلقات بچ رہے۔ مدائن میں برمکی نے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ دارالخلافتہ سے بھی ہر روز مدد چلی آتی تھی۔ مگر طاہر کا کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ جب برمکی اس کے مقابلے کو نکلا تو فوج کی صفیں بھی درست نہو سکیں۔ ایک کو سنبھالا تو دوسری ابتر ہو گئی۔ مجبور ہو کر خود سب کو اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

ان فتوحات کی شہرت عام ہوتی جاتی تھی۔ اور ملک میں مامون کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ حرمین میں بھی اس کا سکہ وخطبہ جاری ہو گیا۔ داؤد جو مکہ معظمہ کا حاکم تھا اس نے تمام اعیان عرب کو جمع کیا۔ اور مجمع عام میں ایک نہایت پراثر تقریر کی۔ جب امین کی برائیاں کیں تو ان فقروں نے ساری مجلس کو کپکپا دیا کہ "یہ وہی امین ہے جس نے حرمت حرم کا بھی خیال نہ کیا۔ اور جن معاہدوں کی تصدیق صحن کعبہ میں ہوئی تھی ان کو چاک کر کے آگ میں جلادیا" داؤد اس تقریر کے بعد ممبر پر چڑھ گیا۔ اور سر سے ٹوپی اتار کر پھینک دی کہ اسی طرح میں امین کو خاک پر پھینکتا ہوں۔ سب نے غائبانہ مامون کے لیے بیعت کی۔ مامون کو جب یہ خبر پہونچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے۔ اور رقہ کی حکومت اس پر مستزاد کی چند روز کے بعد یمن وغیرہ کے عمال نے بھی طاہر کی اطاعت قبول کی۔ اور امین کی حکومت بغداد کی حد تک رہ گئی۔ تاہم اس نے ایک عظیم الشان لشکر جس میں قریبًا چار سو افسر تھے۔ علی بن محمد کی ماتحتی میں ہرثمہ کے مقابلے کو روانہ کیا۔ رمضان ۱۹۶ھ میں بمقام نہروان دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ امین کی یہ اخیر کوشش بھی کچھ کامیاب نہوئی۔ فوج نے شکست کھائی اور علی زندہ گرفتار ہوا۔ اب صرف یہ تدبیر باقی رہ گئی کہ مال وزر کی طمع دلا کر دشمن کی فوج توڑلی جاے۔ امین کے خزانہ عامرہ میں ہرون الرشید کے زمانہ کا اب بھی بہت کچھ اندوختہ موجود تھا۔ جو اس ضروری موقع پر تیغ وخنجر سے زیادہ کام آیا۔ قریبًا پانچ ہزار آدمی اسی طمع پر طاہر کا ساتھ چھوڑ کر دارالخلافتہ بغداد میں حاضر ہوئے۔ امین نے خطوط میں جو وعدے کئے تھے اس سے بھی زیادہ انعام وصلہ دیا۔ اور فخر کے طور پر ان کی ڈاڑھیاں مشک سے

رنگوائیں۔ یہ لوگ اور بہت سی فوج لے کر طاہر سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ صرصر میں مقابلہ ہوا۔ مگر نتیجہ جنگ نے ثابت کر دیا کہ جو لوگ طاہر کے ساتھ دغا کر چکے تھے وہ امین کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور بیشمار غنیمت ہاتھ آئی۔ امین نے اب ایک نئی فوج تیار کی جس میں حوالی بغداد کے عوام بھرتی تھے۔ انہیں میں سے کمانیر وجنرل بھی مقرر کئے اور ایک ایک کو گراں بہا انعامات سے مالامال کر دیا قدیم افسر جو ان فیاضیوں سے محروم رہے۔ نہایت ناراض ہوئے۔ اُدھر طاہر نے اُن سے خط وکتابت شروع کی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ علانیہ باغی ہوگئے۔ درباریوں نے عرض کیا کہ انعام وصلہ کی طمع دلا کر اُن کو قابو میں لانا چاہیئے لیکن امین کو اپنی نوآزمودہ فوج پر اس قدر ناز تھا کہ اُس نے قدیم تجربہ کار لشکر کی کچھ پروا نہ کی۔ اور ان نوآزمودوں کو حکم دیا کہ باغیوں کو گرفتار کر لائیں۔ اُدھر امین کی پرانی اور نئی فوجیں باہم معرکہ آرا تھیں اِدھر طاہر بے روک ٹوک بڑھتا چلا آیا۔ اور ذوالحجہ ۱۹۶ سنہ ہجری میں باب الانبار پہونچ کر ایک باغ میں مقام کیا۔ امین کے بہت سے افسر اُس کے پاس حاضر ہوگئے۔ اور بڑے بڑے انعامات وصلے حاصل کئے۔

بغداد کا محاصرہ ۱۹۷ سنہ ھ

اگرچہ امین کی تمام قوت صرف ہو چکی تھی۔ اور بظاہر دارالخلافہ میں کوئی شخص طاہر کا سدّ راہ نہ تھا۔ تاہم طاہر نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ بغداد ایک مدت سے خلفائے عباسیہ کا پایۂ تخت اور اُن کی طاقت کا اصلی مرکز تھا۔ خاص شہر کی آبادی دس لاکھ سے کم نہ تھی۔ جن میں اکثر مسلمان تھے۔ اور سپہ گری کا فطرتی جوہر رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے بغداد پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ طاہر نہایت تدبیر سے چلا۔ بڑے بڑے نامور افسر جو ساتھ تھے ان کو خاص خاص حصون پر متعین کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ حلقۂ اطاعت میں آئیں۔ اُن کو امن دیا جائے۔

باقی حصوں پر منجنیقوں کے ذریعہ سے آگ اور پتھر برسائیں اور تمام عمارتوں کو خاک کے برابر کردیں۔ نہایت سفاکی اور بیرحمی سے ان احکام کی تعمیل ہوئی۔ ہزاروں عالیشان مکانات برباد کردئے گئے۔ محلے کے محلے تباہ ہوگئے۔ افراہمرد۔ محمد بن عیسےٰ سعید بن مالک۔ نہایت دلیری سے لڑے۔ مگر عاجز ہو ہوکر طاہر کی پناہ میں آتے گئے۔ رفتہ رفتہ۔ عبداللہ یحیٰی بن ہامان۔ محمد طائی وغیرہ نے بھی جو امین کے ارکان خلافت تھے اطاعت قبول کی صرف شہر کے اوباش اور عیار باقی رہ گئے جو طاہر کے سد راہ تھے۔ لیکن ان کے زیر کرنے میں طاہر نے جو دقتیں اوٹھائیں۔ بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اٹھائی تھیں۔ قصر صالح پر ان پر لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا۔ کہ طاہر کی بہت سی فوج ضائع ہوئی۔ اور چند مشہور افسر مارے گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ علی کے معرکہ سے لیکر آج تک طاہر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس شکست کے انتقام میں طاہر نے حکم دیا کہ دجلہ سے دالرقیق تک اور باب الشام سے باالکوفہ تک جس قدر آبادی ہے کلیتہً برباد کردیجائے۔ اس پر بھی جب اہل شہر مطیع نہوئے تو گذرگاہوں پر پہرے بٹھادئے کہ باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آنے پائے۔ لیکن عیار اب بھی زیر نہ ہوئے۔ قصر شماسیہ پر طاہر نے عبداللہ کو متعین کیا تھا عیاروں نے اس کو سخت شکست دی۔ اور جب طاہر کی طرف سے ہرثمنہ مدد کو آیا تو عیاروں نے اس کو زندہ گرفتار کرلیا۔ طاہر خود گیا تو بڑے سخت معرکے کے بعد عیار پیچھے ہٹے۔

پورے برس دن محاصرہ رہا۔ اور دارالاسلام بغداد ایک ویرانہ سے بدتر ہوگیا۔ ایسا معمور اور پر رونق شہر دورد ور تک کف دست میدان پڑا تھا۔ امین کے عالیشان قصر و محل جو تقریباً دو کروڑ کے صرف میں طیار ہوئے تھے۔ اُن کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے اہل شہر پر جو سختیاں گذریں اُن کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ سیکڑوں گھرانے برباد ہوگئے۔ ہزاروں بچے یتیم بن گئے ہر گلی کوچہ میں دردناک آوازیں بلند تھیں۔ شعرا نے نہایت جانگداز مرثئے لکھے۔ جرمی کا ایک قصیدہ اب بھی موجود ہے جو ۱۱۵ شعر کا ہے۔ اور اس قیامت انگیز واقعہ کی پوری تصویر ہے بغداد اتنا کچھ برباد ہوچکا تھا۔ تاہم۔ طاہر کو شہر میں داخل

ہونے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔اور اگر خزیمۃ جو امین کے درباریوں میں نہایت بااثر شخص تھا۔ساتھ نہ دیتا تو بغداد کی فتح میں شاید بہت زیادہ دیر لگتی خزیمۃ ۲۲ محرم ۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہوا اور دجلہ پر علم نصب کر کے اعلان کیا کہ خلیفہ امین معزول کر دیا گیا۔اس اشتہار سے شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہو گیا۔ دوسرے دن طاہر نے مغربی حصہ پر حملہ کیا۔بازار کرخ کے متصل سخت معرکہ ہوا طاہر نے قصر الوضاح پر تھوڑی سی فوج متعین کی۔اور بذات خود مدینۃ المنصور قصر زبیدہ قصر الخلد کا محاصرہ کیا۔یہ عالیشان ایوانات جو خلفائے عباسیہ کے یادگار تھے۔بجائے خود ایک شہر تھے۔اور ان کے گرد جدا جدا شہر پناہ تھی۔

عبرت اس محاصرہ میں ابراہیم بن المہدی جو ہرون الرشید کا بھائی اور فن موسیقی میں یگانہ روزگار تھا۔امین کے ساتھ تھا۔ اس کا بیان ہے کہ "ایک رات امین دل بہلانے کے لئے محل سے باہر نکلا۔اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابراہیم" دیکھیے کیا سہانی رات ہے۔چاند کیسا صاف اور روشن ہے۔دجلہ پر اس کا عکس پڑتا ہے۔تو کیسا خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ایسے پُر لطف وقت میں کیا چیز ضرور ہونی چاہیئے؟ "شراب" امین نے کہا سمعاً وطاعۃ عرض شراب آئی۔امین نے میری طرف پیالہ بڑھایا۔میں نے مزے میں آکر چند اشعار گائے۔امین نے کہا، نغمہ ہے تو ساز بھی ہونا چاہیئے" حسب المطلب ایک مغنیہ کنیز آئی۔امین نے نام پوچھا۔تو اس نے کہا "ضعف" امین اس منحوس نام سے متوحش ہوا۔پھر کچھ گانے کی فرمائش کی وہ یہ شعر گائی۔

كليب لعمري كان اكثر ناصرا	وايسر جرماً منك ضرج بالدم

یعنی "اپنی عمر کی قسم۔ کلیب کے مددگار زیادہ تھے۔اور وہ تجھ سے زیادہ مدبر اور عاقل بھی تھا۔تاہم خون میں رلایا گیا" امین اور مکدر ہوا۔اور دوسری چیز گانے کی فرمائش کی اس نے یہ شعر گایا۔

ابكى فراقهم عيني فارقها	ان التفرق للاحباب بكاء

یعنی ان لوگوں کے فراق نے میری آنکھوں کو رلایا۔اور نیند کھو دی۔جدائی دوستوں کو

سخت رلانے والی چیز ہے۔ امین نہایت منغص ہوا۔ اور خفا ہو کر کہا "کمبخت تجھے اس کے سوا کچھ اور بھی گانا آتا ہے" اُس نے عرض کیا کہ "میں نے وہی اشعار گائے کہ حضور ان کو سنکر خوش ہون" پھر اُس نے چند اور ایسے ہی دردناک اشعار گائے۔ امین نے نہایت غصہ میں آکر کہا "ملعونہ دور ہو" اٹھی تو ایک بلور کے پیالہ سے جو نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا۔ اور امین اُس کو زب رباح کہا کرتا تھا۔ ٹھوکر کھا کر گری۔ اس کے صدمے سے پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔ امین میری طرف مخاطب ہوا کہ "دیکھتے ہو، آج کیا باتیں پیش آئی ہیں غالبًا اب میرا وقت پورا ہو چکا" اسی گفتگو میں کسی طرف سے آواز آئی قضی الامر الذی فیہ تستفتیان یعنے جس امر میں تم دونوں بحث کرتے ہو طے ہو گیا۔" امین نے مجھ سے کہا "کچھ سنا بھی" میں نے عرض کیا کہ "مجھکو تو کوئی چیز سنائی نہیں دی۔" تاہم اٹھکر میں نہر کے قریب گیا۔ وہان کوئی نظر نہ آیا تو واپس آکر پھر باتوں میں مشغول ہوا۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی۔ امین زندگی سے مایوس ہو کر اٹھا اور اس واقعہ کے دو ہی تین دن کے بعد قتل کیا گیا۔

اس یاس اور نا امیدی میں امین کو بھائی یاد آیا۔ اُس نے طاہر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا "آپس کی خانہ جنگیون سے یہ نوبت پہونچی کہ اب عزّت اور ناموس کیطرف سے بھی اندیشہ ہے۔ مجکو ڈر ہے کہ یہ موقع دیکھکر غیرون کو خلافت کی ہوس نہ پیدا ہو بہر حال میں اس پر راضی ہون کہ تو مجکو امان دے تو بھائی مامون کے پاس چلا جاؤن اگر اس نے عنایت کی تو اس کے رحم اور فیاض دلی سے یہی توقع ہے۔ اگر قتل کرا دیا تو گویا ایک زور نے دوسرے زور کو توڑا اور تلوار نے تلوار کو کاٹا۔ اگر شیر پھاڑ ڈالے اس سے اچھا ہے کہ مجکو کتا نوچ کھائے۔ یہ یقینی ہے کہ امین اگر مامون تک پہونچ جاتا۔ تو مامون کی رحمدلی اور برادرانہ الفت کا جوش پھر بھی شفیع ہوتا۔ اور اگر تخت خلافت کی عزّت نہ ملتی تو کم سے کم اس جان ضرور بچ جاتی لیکن طاہر نے جس کی قسمت میں تھا کہ ایک خلیفہ ہاشمی کا قاتل کہلائے۔ اس درخواست کو نامنظور کیا

امین کا قتل ۲۵ محرم ۱۹۸ھ

طاہر کے پیہم حملون نے امین کے طرفدارون کو یقین دلادیا کہ اب اُن کے روکنے کی

کوشش قریبًا بیکار ہے۔ محمد بن حاتم بن الصقر۔ و محمد بن اغلب افریقی جن کی یامردی سے طاہر اب تک امین پر دسترس نہیں پا سکتا تھا۔ اب وہ بھی ہمت ہار گئے۔ اور امین کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ "ہمکو اون نے کورنمکی کی۔ وشمن حریم شاہی تک پہونچ گیا۔ اب صرف یہ تدبیر ہے کہ رفقا میں سے سات ہزار جان نثار خاص انتخاب کر لئے جائیں جن کے لئے اصطبل خاصہ میں اسی تعداد کے گھوڑے موجود ہیں۔ انہیں کی حفاظت میں حضور رات کے وقت یہاں سے نکل جائیں۔ اس کے ہم ذمہ دار ہیں کہ طاہر یا کوئی اور شخص ہمارے روکنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ شام کا ملک سامنے ہے حضور وہیں کا قصد کریں۔ وہاں اس قدر خزانہ و مال موجود ہے۔ کہ ہم اپنی قوت کافی طور سے بڑہا سکتے ہیں اور پھر دشمن کے حملوں سے بھی کچھ خوف نہ ہوگا"۔ امین نے یہ رائے تسلیم کی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ دار الخلافہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جائے۔ طاہر کو یہ خبر پہونچی تو اس نے سلیمان بن منصور۔ محمد بن عیسے وغیرہ کو بلا بھیجا۔ یہ لوگ ظاہر میں امین کے ساتھ تھے اور اُس کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ لیکن جان کے خوف سے طاہر کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے ان لوگوں سے کہا کہ "اگر امین بچکر نکل گیا تو تم کو اپنی زندگی سے بھی مایوس رہنا چاہئے۔ جس طرح بنے اُس کو اس ارادے سے باز رکھو مجبورًا یہ لوگ امین کے پاس حاضر ہوئے اور کہا "جن لوگوں نے حضور کو یہ رائے دی خودغرضی سے دی۔ چونکہ طاہر کے مقابلہ میں زیادہ تر انہیں لوگوں نے سرگرمی دکھائی ہے۔ ان کو یقین ہے کہ اگر اُس نے فتح پائی تو پہلے انہیں کی خبر لے گا۔ اس لئے یہ چاہتے ہیں کہ جب حضور شام کے قصد سے حریم خلافت سے باہر نکلیں تو گرفتار کر کے طاہر کے حوالہ کر دیں۔ اور اس کارگزاری کے صلہ میں اُس سے عفو تقصیر کے خواستگار ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ حضور تخت خلافت سے الگ ہو جائیں۔ اور اپنے کو طاہر کے ہاتھ میں دیدیں۔ وہ آپ کا ادب ملحوظ رکھے گا۔ اور مامون سے تو پوری امید ہے کہ برادرانہ سلوک کرے۔ امین اس فریب کو نہ سمجھ سکا۔ اور یہ رائے بھی مان لی اس قدر اختلاف کیا کہ بجائے طاہر کے ہرثمہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ ان جان نثاروں محمد بن حاتم و محمد بن ابراہیم کو

جب اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو امین کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ "اگر حضور نے ہم خیر خواہوں کا کہنا نہ مانا۔ اور خودغرضوں کی رائے قبول کی تو طاہر سے براہ راست معاملہ کرنا چاہیئے" امین نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس وقت سے طاہر کا نام سنکر مجکو وحشت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑی لمبی چوڑی دیوار ہے جس کی بلندی آسمان تک پہونچی ہے۔ میں اُس دیوار پر لباس شاہانہ پہنے تلوار لگائے کھڑا ہوں۔ بن دیوار میں طاہر استادہ ہے۔ اور دیوار کی جڑ کھود رہا ہے۔ بالآخر وہ گر پڑی جس کے ساتھ میں بھی نیچے آیا اور تاج شاہی سر سے گر گیا" اس خواب کے بعد سے طاہر کے خیال سے میں چونک پڑتا ہوں۔ ہرثمہ اس خاندان کا نمک پروردہ قدیم ہے۔ اور میں اس کو ظل سبحانی ہرون الرشید کے برابر سمجھتا ہوں"

امین اسی رائے پر قایم رہا اور ہرثمہ سے امان طلب کی۔ اُس نے نہایت اخلاص ظاہر کیا۔ اور جواب میں لکھا کہ "آپ اطمینان رکھیں۔ کوئی شخص آپ کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ خود مامون نے بھی اگر کچھ برا ارادہ کیا تو میں سینہ سپر ہوں گا۔ اور جب تک دم میں دم ہے ساتھ دوں گا" طاہر کو یہ خبر پہونچی تو نہایت طیش میں آیا اور کہا کہ "یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آج تک تمام معرکوں میں میں نے جانبازی کی ہو۔ اور امین کا ہاتھ آنا جو خاتمہ فتح ہے ہرثمہ کو نصیب ہو" اس نزاع کے فیصل کرنے کے لیئے عمائد بنی ہاشم اور سرداران فوج کا ایک بڑا مجمع ہوا۔ جس میں طرفین مقدمہ یعنے طاہر و ہرثمہ بھی شامل تھے۔ بالآخر اس پر فیصلہ ہوا کہ امین بذات خود ہرثمہ کے پاس چلا آئے اور مہری و چادر و انگشتری۔ جو سند خلافت ہیں۔ طاہر کے پاس بھیجدے مگر افسوس ہے۔ امین کی بدقسمتی نے اس تجویز کو بھی چلنے نہ دیا۔ ہرش ایک شخص نے جو اس سے پہلے امین کا معتمد خاص تھا۔ اور اب طاہر سے مل گیا تھا۔ اپنا تقرب بڑہانے کے لیئے طاہر سے کہا کہ "آپ کو دہوکہ دیا گیا ہے۔ لوگوں نے بندوبست کرلیا ہے کہ امین کے ساتھ خاتم خلافت مہر وغیرہ بھی ہرثمہ کے ہاتھ آئے" طاہر نہایت برافروختہ ہوا۔ اور

لہ ہرثمہ نسباً ہاشمی تھا۔ اور چونکہ ہمیشہ سے اُس سے زیادہ مانوس تھا اس وجہ سے بھی اُسی سے طالب امن ہوا۔ ۱۲

تیراندازون کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ خفیہ طور سے قصر الخلد و قصر زبیدہ کی حفاظت رکھے اور اُن کو تاکید کی کہ امین نکل کر جانے نہ پائے محرم ۱۹۸ھ کی ۲۵ تاریخ ہفتہ کی رات قریبًا دس بجے امین نے ہرثمہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس نے کہلا بھیجا کہ دو دجلہ پر طاہر نے فوج متعین کر دی ہے۔ آج کی رات حضور اور توقف فرمائین تو کل مین فوج و حشم سے طیار رہون۔ اور اگر مقابلہ کی نوبت آئے تو سینہ سپر ہو کر لڑون" امین ایسے اضطراب و خوف کی حالت مین تھا کہ دار الخلافہ مین ایک لحظہ بھی ٹھہرنا اس کو گران تھا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ "اس اضطراب مین کس سے رات کٹ سکتی ہے۔ بلائے یا نہ بلائے مین تو اسی وقت ہرثمہ کے پاس آتا ہون" امین کا یہ آخری دربار تھا کہ وہ حریم خلافت سے رخصت ہوتے وقت صحن القصر کے صحن مین ایک کرسی پر بیٹھا۔ اور چند خدام اس کے سر پر گرز لئے کھڑے ہوئے۔ اُس نے اپنے دونون بیٹوں کو بلایا۔ اور سینے سے لپٹا کر پیار کیا۔ انکی پیشانی اور رخسار و نپر بوسے دیے۔ اور پھر گلے سے لگا کر خوب رویا۔ اور نہایت حسرت کیساتھ یہ کہکر رخصت کیا کہ دو جاؤ خدا کو سونپا" امین جب کبھی سوار ہوتا تھا تو ہزارون زرین کمر غلام رکاب کے برابر چلتے تھے۔ جنکی زرق برق پوشاکون اور چمکتے ہوئے مرصع ہتھیارون سے تمام میدان چمک جاتا تھا۔ آج وہ اس حال سے دجلہ کی طرف چلا ہے کہ خادم کے ہاتھ میں فقط ایک شمع ہے جو راستہ دکھائی دینے کے لئے قصر الخلد سے ساتھ آئی ہے دجلہ کے کنارہ پر پہونچا تو ہرثمہ چند آدمیوں کے ساتھ اُسکے لینے کو پہلے سے موجود تھا۔ یہ لوگ کشتی پر سوار تھے امین کو آتے دیکھکر سب تعظیم کو اُٹھے۔ ہرثمہ کو چونکہ نقرس کی شکایت تھی۔ آداب شاہی نہ بجا لا سکا۔ اور گھٹنون کے بل کھڑے ہو کر معافی مانگی کہ "وہ بیماری کی وجہ سے معذور ہون" امین جب کشتی میں داخل ہوا تو ہرثمہ نے اپنی آغوش میں لیا۔ ہاتھ اور پاؤن کو بوسے دیتا تھا اور ادب اور پیار سے کہتا جاتا تھا "میرے آقا۔ میرے مالک۔ میرے سردار۔" ہرثمہ نے کشتی کے بڑھانے کا حکم دیا کہ دفعتًا طاہر کے آدمیون نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور اسقدر پتھر برسائے کہ تمام تختے ٹوٹ گئے۔ ہرثمہ کو ملاحوں نے باہر نکالا۔ امین جس کا کوئی دستگیر نہ تھا کپڑے پھاڑ کر ہلکا ہوا۔ اور ڈوبتا تیرتا کنارہ پر پہونچا۔ احمد بن سلام کا بیان ہے کہ

امین کے ساتھ میں بھی کشتی میں تھا۔ لوگ مجکو طاہر کے ایک افسر کے پاس پکڑ کر لے گئے جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ میں بھی امین کے ساتھ تھا تو میری گردن مارنے کا حکم دیا۔ میں نے دس ہزار درہم کے وعدہ پر جان بچائی۔ اور ضمانت میں قید رکھا گیا۔ شام ہوئی تو عجم کے چند سپاہی آئے اور اس حال میں امین کو گرفتار کئے ہوئے لائے کہ بدن سے ننگا۔ صرف ایک پائجامہ پہنے تھا۔ سر پر ایک عمامہ اور کاندھے پر ایک بوسیدہ چادر تھی عمامہ سے اُس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ میں جس حجرہ میں محبوس تھا۔ اسی میں امین کو بھی بٹھا کر چلے گئے۔ اور دربانوں سے تاکید کرتے گئے کہ نہایت احتیاط رکھیں ان لوگوں کے چلے جانے پر امین ذرا مطمئن ہوا اور چہرہ سے نقاب الٹی میں نے پہچانا تو بیساختہ رو پڑا۔ امین نے میرا نام پوچھا میں نے کہا "حضور کا نمکخوار غلام۔ احمد بن سلام" امین نے کہا ہاں میں نے پہچانا۔ بھائی غلامی کیسی اس وقت تو تم میرے برادر اور قوت بازو ہو۔ مجھے ذرا سینہ سے لگا لو مجکو سخت وحشت ہو رہی ہے۔ میں نے لپٹایا تو اس کا کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا تھا پھر پوچھا کہ "مامون کا کچھ حال معلوم ہے۔ میں نے کہا زندہ ہے" کہنے لگا "خدا پرچہ نویسوں کا بُرا کرے کمبختوں نے خبر دی تھی کہ مر گیا" میں نے کہا "خدا آپ کے وزیروں کا بُرا کرے" امین نے کہا "وزیروں کو کچھ نہ کہو۔ اُن کا کیا گناہ ہے۔ کچھ میں ہی پہلا شخص نہیں ہوں جو اپنے ارادہ میں ناکام رہا ہو" پھر مجھسے پوچھا کہ "کیوں احمد! لوگ مجکو قتل کر ڈالیں گے؟ یا اپنے عہد پر قائم رہیں گے" میں نے تسکین دی کہ "نہیں ضرور اپنے اقرار کی پابندی کریں گے۔

چونکہ شدت کی سردی تھی اور پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ چادر میں لپٹا جاتا تھا میں نے اپنا شلوکہ اُتار کر دیا کہ اس کو بدن پر ڈال لیجئے۔ اُس نے نہایت شکر گزاری سے کہا کہ "بھائی اس موقع پر تو یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے" آدھی رات گذری ہوگی کہ چند اہل عجم ننگی تلواریں لئے آئے۔ اور دروازہ پر ٹھہرے۔ امین یہ دیکھکر کھڑا ہو گیا اور نہایت اضطراب سے انا للہ پڑھتا جاتا تھا۔ اور یہ کہتا تھا "ہائے میری جان مفت جاتی ہے۔ کیا کوئی شخص یاور نہیں۔ کیا کوئی فریادرس نہیں" امین گو عیش پرست اور نازک اندام تھا۔

مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی بازو بھی تھا۔ اس بیکسی میں بھی قاتلوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آگے بڑھیں۔ ہر شخص دوسرے پر ٹالتا تھا۔ امین نے بجائے سلاح جنگ کے ہاتھ میں ایک تکیہ اٹھا لیا۔ اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبی کا ابن عم ہوں ہرون الرشید کا فرزند ہوں۔ مامون کا بھائی ہوں۔ میرا خون کسی طرح حلال نہیں" بالآخر ایک شخص تلوار لیکر بڑھا۔ اور امین کے سر پر ماری۔ اس گستاخی اور جرارت نے امین کو یقین دلایا کہ اسکی دردناک فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کرسکتی۔ وہ مرنیکے لئے تیار ہوا۔ مگر ایسا ہی مرنا جیسا کہ ایک عباسی شہزادہ کو سزاوار تھا۔ اب اس کی نزاکت غضبناک جرارت سے بدل گئی دلیرانہ بڑھا۔ اور چونکہ تنہا تھا چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر ہاشمی جرأت کے جوہر دکھائے۔ یہ دیکھکر گروہ کا گروہ دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا ایک شخص نے کمر پر تلوار ماری۔ پھر سب نے ملکر پچھاڑا اور اُلٹی طرف سے ذبح کیا۔ طاہر کے پاس سر لائے تو اس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے۔ تمام بغداد یہ عبرت انگیز تماشا دیکھنے آیا۔ طاہر یہ کہکر لوگوں سے اپنی کارروائی کی داد چاہتا تھا کہ "یہ خلیفہ معزول کا سر ہے" طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامۂ فتح لکھا ہیں "امیر المومنین کے حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں" دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا۔ اور دین سے چادر اور خاتم خلافت ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھکر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اُسنے اپنے بھائی کے خون آلودہ سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور جوش خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ قاصد کو مژدۂ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم انعام دئے اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور تمام اراکین دولت و افسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر ہوئے[1]۔ ذوالریاستین نے دربار عام میں

[1] مامون الرشید کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوئی ہے۔ ابن واضح کاتب عباسی جو مامون الرشید سے قریب تر زمانہ میں تھا۔ اس نے اپنی تاریخ میں مامون کی خلافت مستقل کا اسی تاریخ سے حساب کیا ہے اور نجوم کے قاعدہ کے موافق مسند نشینی کا ایک زائچہ نقل کیا ہے۔ چونکہ میں نجوم کی اصطلاحات سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ زمانہ نے اس علم کی طرف سے خیالات بھی بدل دیئے ہیں۔ میں نے اس زائچہ کو نقل نہیں کیا۔ ۱۲

نامہ فتح پڑہا۔ اور ہر طرف سے مبارکباد کا غل اُٹھا۔ اگرچہ اس وقت اتنی خوشیاں منائی گئیں۔ مگر اس خمار کے اترنے کے بعد برادرانہ جوش محبت بے اثر نہیں رہا۔ مامون کو اس واقعہ کا نہایت افسوس ہوا۔ اور طاہر کی تمام کوششیں اس کی آنکھ میں بے قدر ہو گئیں۔

زبیدہ خاتون امین کی ماں۔ قصر خلافت میں تشریف فرما تھی کہ ایک خواص نے آکر کہا۔ "حضور بیٹھی کیا کرتی ہیں امیر المومنین قتل کر دیے گئے" زبیدہ نے کہا پھر کیا کروں۔ اُس نے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جس طرح حضرت عثمان کے خون کی دعویدار ہوئی تھیں۔ حضور بھی امیر المومنین کے خون کا عوض لیں زبیدہ نے کہا۔ لا ام لک ما للنساء وطلب الدماء پھر مامون کو یہ منظوم خط لکھا [1]

لوارث علم الاولین و فہمہم	وللملک المامون من ام جعفر
ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ مامون کے نام جو کہ اگلوں کے علم وفہم کا وارث ہے۔	
کتبت وعینی مستہل دموعہا	الیک ابن عمی من جفون ومحجر
اے ابن عم میں تجکو لکھ رہی ہوں اور میری آنکھیں پلکوں سے خون برساتی ہیں۔	
وقد مسّنی ذل وضر کآبة	وارق عینی یا ابن عمی تفکر
مجکو ذلت اور اذیت وہ رنج پہونچا۔ اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا	
اتی طاہر لا طہّر اللہ طاہراً	فما طہر فیما اتی بمطہر
یہ طاہر کا کیا ہوا ہے (جس کو خدا طاہر نہ کرے) اور جو کچھ اُس نے کیا اُس کے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا	
فاخرجنی مکشوفة الوجہ حاسراً	وانہب اموالی واحرق ادوری
اس نے مجکو برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا۔ اور میرا مال لوٹ لیا۔ اور مکانات برباد کر دیے	
یعز علی ہارون ما قد لقیتہ	وما مرّ بی من ناقص الخلق اعور
اس ایک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے جو مجھ پر گذرا ہارون ہوتا تو اس پر گراں گذرتا۔	

[1] ان اشعار کو ابن الاثیر نے خزیمہ بن الحسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور صاحب عقد الفرید نے ابو العتاہیہ کی طرف (دیکھو عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲)

فان کان ما ابدی یامرا مرشد
صبرت لامر من قدیر

طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے مقدر پر میں کرتی ہوں ۔ مامون یہ اشعار پڑھکر نہایت رویا ۔ اور کہا کہ "و واللہ میں خود اپنے بھائی کے خون کا عوض لوں گا"

امین کے قتل کے بعد طاہر نے بغداد میں امن کا اشتہار دیا ۔ مسجد جامع میں جمعہ کی نماز خود پڑھائی اور خطبہ میں مامون کی مدح سرائی کے بعد مرحوم امین کی بہت سی برائیاں بیان کیں ۔ شنبہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون پر بیعت کی ۔ امین کا قتل ۲۵ محرم کو واقع ہوا ۲۸ برس کی عمر تھی ۴ برس ۷ مہینے ۸ دن خلافت کی ۔ موزوں اندام ۔ کشیدہ قامت نہایت خوبرو اور قوی تن تھا ۔ کسائی سے فن نحو و ادب کی تکمیل کی تھی ۔ نہایت فصیح و بلیغ ۔ اور سخن سنج تھا ۔ **لطیفہ** ۔ امین کو بچپن سے شعر گوئی کا ذوق تھا ۔ زبیدہ خاتون نے ابو نواس سے کہدیا تھا کہ امین کے اشعار بنظر اصلاح دیکھ لیا کرے ۔ ایک دن امین نے زبیدہ کے سامنے ابو نواس کو کچھ اشعار جو اس نے حال ہی میں لکھے تھے بغرض اصلاح سنائے ۔ مگر جب ابو نواس نے انہیں عروض کے متعلق چند غلطیاں بتائیں ۔ تو وہ نہایت غضبناک ہوا اور اسی جرم پر اس کو قید کر دیا ۔ چند روز کے بعد جب ہرون الرشید کو خبر ہوئی تو امین پر خفا ہوا ۔ اور ابو نواس کو قید سے رہائی دی ۔ اس کے بعد ایک موقع پر ہرون نے امین سے کہا کہ اپنے تازہ خیالات ابو نواس کو سنائے ۔ امین نے وہی نہیں شعر پڑھے ہوں گے ۔ کہ ابو نواس اٹھ کھڑا ہوا ۔ ہرون نے پوچھا "کیوں کہاں چلے" ابو نواس نے کہا "پھر قید خانہ"

امین میں جہاں سیکڑوں برائیاں تھیں بہت سی خوبیاں بھی تھیں ۔ علم دوست تھا ۔ فیاض تھا ۔ اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تھا ۔ ہزاروں اہل فن اس کے خوان کرم سے فیضیاب تھے ۔ عام ملک پر شاید اس کا قتل اتنا گراں نہ گزرا ہو مگر جن لوگوں نے خود اس کے اوج و حشم ناز و نعمت و شان و شوکت کا دلفریب تماشا دیکھا تھا ۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا ۔ شعرا نے جس دردناک لہجہ میں اس کا مرثیہ لکھا کون ایسا سنگدل ہے جو اس کو سنکر ضبط کا دعوائے کر سکتا ہے ۔ ابو عیسٰے کے دو شعر

کس دل سے نکلے ہوں گے کہ نشتر کا کام دیتے ہیں۔

لست ادری کیف ابکیک ولا کیف اقول

میں نہیں جانتا تجھ پر کیوں کر روؤں اور کیا کہہ کے روؤں۔

لم تطب نفسے اسمیک قتیلا یا قتیل

اے مقتول دل گوگوارا نہیں کہ تجھ کو مقتول کہوں

ایک شاعر نے لکھا ہے

سالت الندی والجود مالی اراکما
تبدلتما عزا بذل مؤبد
ومالی اری بیت المکارم واھیا
فقالا اصبنا بالامین محمد
فقلت فھلا متما بعد فقدہ
وقد کنتما خدنیہ فی کل مشھد
فقالا اقمنا کی نعزی بفقدہ
صبیحۃ یوم ثم نتلوہ فی غد

میں نے جود و کرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے میں تمکو دیکھتا ہوں
کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدل دی
اور یہ کیا بات ہے کہ میں عزت کی عمارت کو متزلزل دیکھتا ہوں
دونوں نے جواب دیا کہ ہم پر محمد امین کے مرنے کی مصیبت پڑی ہے
اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اُس کے مرنے کے بعد کیوں نہ مر گئے
اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم رہتے تھے۔
دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس لیے ٹھہر گئے کہ اس کے مرنے کا پرسا دیا جائے
پھر کل ہم بھی اس سے جا ملیں گے۔

مامون کی خلافت ۱۹۸ھ

امین کے قتل کے بعد ۲۶ محرم ۱۹۸ھ ہفتہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون کیلئے بیعت کی۔ اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ مامون نے گو عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ خلافت بھی درحقیقت اُسی کے پنجۂ اختیار میں تھی۔ انتظامات ملکی کی جو ابتدا ہوئی وہ اسی وجہ سے ناموزون طریقہ پر ہوئی کہ فضل نے تمام ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہا۔ طاہر جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اس کی یہ قدر دانی کی کہ اس کے تمام ممالک مفتوحہ یعنی کوہ الجبال فارس اہواز بصرہ کوفہ یمن وغیرہ کی حکومت حسن بن سہل کو عنایت کی جو فضل کا حقیقی بھائی تھا۔

طاہر نصر بن سیار کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ امین کے ہوا خواہوں میں تھا۔ اور شام کے اطراف میں بغاوت ظاہر کی تھی۔ ۱۹۹ھ میں حسن بغداد داخل ہوا۔ اور ہر شہر و صوبہ پر اپنی طرف سے عمال و نائب مقرر کرکے بھیجے۔ عرب کا گروہ جو دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا۔ ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں خاندان برامکہ کی بربادی کے اصلی باعث بھی لوگ ہوئے تھے۔ اب مامون کے زمانہ میں بھی یہ باتیں ان کو نہایت اندیشہ دلاتی تھیں کہ عجم پھر دوبارہ محیط نہ ہو جائیں کیونکہ فضل بن سہل و حسن بن سہل حقیقی بھائی اور عجمی الاصل تھے۔ جس قدر ان دونوں بھائیوں کا رسوخ بڑھتا گیا۔ بنو ہاشم۔ اور افسران فوج زیادہ بے دل ہوتے گئے۔ لوگوں میں یہ بھی مشہور ہوا کہ فضل مامون کے حضور میں کسی شخص کو حتیٰ کہ خاندان شاہی کے لوگوں کو بھی باریاب نہیں ہونے دیتا مامون خود پردے میں رہتا ہے۔ اور انتظامات ملکی عموماً فضل کے ہاتھ سے انجام پاتے ہیں۔ چونکہ مامون ماں کی طرف سے عجمی الاصل تھا۔ یہ بدگمانی کہ "رفتہ رفتہ اہل عجم سپید و سیاہ کے مالک ہو جائیں گے" زیادہ قوی ہوتی گئی۔ اور بالآخر اس کی باعث ہوئی کہ اطراف ملک میں جابجا بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

ابن طباطبا کا خروج ۱۹۹ھ

ملک میں جو یہ برہمی پیدا ہوئی تو سادات اور علویین کے خیالات خلافت تازہ ہو گئے اول جس شخص نے علم خلافت بلند کیا وہ ابو عبداللہ محمد تھے جو ابن طباطبا کے لقب سے مشہور تھے۔ اگرچہ ان کا علو نسب اور تقدس، مرجع عوام بننے کے لیے کافی تھا۔ مگر ملکی نظم و نسق کے لیے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ابو السرایا کی شرکت سے پولٹیکل بازو بھی قوی ہو گیا یہ شخص اگرچہ ابتدائے حال میں ایک نہایت ذلیل آدمی تھا۔ اور کرایہ کے گدھوں سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن چونکہ شجاعت کا جوہر رکھتا تھا رفتہ رفتہ اس نے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ امین کے قتل کے بعد ایک مدت تک غارتگری کرتا رہا۔ عین التمر و قوقا انبار پر چڑھ گیا۔ عاملوں کو شکستیں دیں۔ اور خزانے لوٹ لیے رقعہ پہنچا۔

تو یہی ابن طبا طبا سے ملے جو خلافت کے دعویدار بنکر اُٹھے تھے۔ ابوالسرایا کو بھی مشغلہ ہاتھ آیا۔ اُس نے اِن کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور اُن سے کہا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑہیئے۔ میں بھی خشکی کی راہ سے آتا ہوں۔ کوفہ پہنچکر اُس نے پہلے قصر العباس کو لوٹا۔ یہ ایک شاہی محل اور گورنران کوفہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال۔ خزانہ۔ دفتر۔ یہیں رہتا تھا۔ اِس لوٹ میں بے شمار نقد و اسباب ہاتھ آیا۔ جو ایک مدت سے جمع ہوتا آیا تھا۔ شہر پر پورا قبضہ ہوگیا۔ اطراف سے بھی جوق جوق لوگ آئے اور ابن طبا طبا کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حسن بن سہل نے زہیر بن المسیب کو دس ہزار کی جمعیت سے ابن طبا طبا کے مقابلے پر بھیجا۔ قریہ شاہی مین دونوں فوجین معرکہ آرا ہوئین۔ زہیر کو شکست ہوئی۔ اور ابوالسرایا کے حکم سے جس قدر نقد و اسباب زہیر کی فوج مین تھا۔ لوٹ لیا گیا۔ ابن طبا طبا نے یہ بیرحمی پسند نہ کی۔ اور لوگوں کو غارتگری سے منع کیا۔ ابوالسرایا نے یہ دیکھکر کہ ان کے ہوتے میری آزادی میں فرق آتا ہے۔ دوسرے دن ابن طبا طبا کو زہر دلوادیا۔ اور برائے نام ایک کم سن لڑکے کو جو آل ہاشم ہونے کی حیثیت سے ابن طبا طبا کا ہم پلہ تھا۔ خلیفہ قرار دیا۔ اِس فرضی خلیفہ کا نام محمد بن محمد زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھا۔ اب حسن بن سہل نے عبدوس کو چار ہزار سوار کے ساتھ اِس مہم پر بھیجا مگر بدقسمتی سے اِس معرکہ میں بھی جو ۱۰ رجب کو واقع ہوا شاہی فوج ناکام رہی۔ عبدوس خود مقتول ہوا۔ اور باقی اہل لشکر کچھ لڑائی میں مارے گئے۔ کچھ زندہ گرفتار ہوئے۔ اِس فتح نمایان کے بعد ابوالسرایا نے کوفہ مین اپنا سکہ خطبہ جاری کیا۔ اور بصرہ۔ واسط۔ اہواز یمن۔ فارس۔ مداین۔ پر فوج و افسر بھیجے جو اکثر کامیاب ہوئے یہ تمام افسر بنو فاطمہ یا جعفری تھے۔ اور چونکہ خاندانی عزت کے ساتھ اُن کی ذاتی شجاعت بھی مسلم تھی آسانی سے اُنکو فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔

حسن بن سہل کو اب سخت مشکل کا سامنا تھا۔ جتنے نامور افسر تھے سب نے ابوالسرایا کے مقابلے مین شکست کھائی۔ یا عین معرکہ جنگ میں لڑکر مارے گئے۔ طاہر ذوالیمینین و ہرثمہ

ابن اعین۔ صرف دو ایسے جنرل تھے۔ جو ابو السرایا کا زور گھٹا سکتے تھے۔ مگر طاہر نصر سے شکست کھا کر رقہ میں گویا محصور تھا۔ اور ہرثمہ۔ خود حسن سے ناراض ہو کر خراسان کو روانہ ہو چکا تھا۔ حسن کو ہرثمہ سے طالب اعانت ہونا اگرچہ موجب عار تھا۔ اسکے علاوہ یہ بھی اطمینان نہ تھا کہ وہ اس درخواست کو منظور کرے گا۔ تاہم مجبوری ایسی آن پڑی تھی کہ ہرثمہ سے اعانت مانگتے ہی بنی۔ ہرثمہ خراسان سے واپس پھرا اور کوفہ کو روانہ ہوا۔ قصر بن ہبیرہ کے قریب ابو السرایا سے مقابلہ ہوا۔ ہرثمہ نے فتح قطعی حاصل کی۔ ابو السرایا بھاگتا ہوا کوفہ کو پہونچا۔ سادات یا علوئین جو اسکے ساتھ تھے ہرثمہ سے شکست کھا کر انتقام کے جوش سے لبریز تھے۔ کوفہ میں جس قدر آل عباس اور ان کے خدم و حشم تھے سب کے مکانات آگ لگا کر برباد کر دئیے۔ جاگیریں لوٹ لیں۔ اور دل کھول کر غارت گری کی۔ ہرثمہ نے ایک مدت تک کوفہ کا محاصرہ قایم رکھا۔ بالآخر ۱۶۔ محرم سنہ ۲۰۰ھ کو ابو السرایا کوفہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور سوس کے مضافات میں خورستان ایک مقام میں ٹھیرا۔ حسن بن علی ماسونی جو اس علاقہ کا عامل تھا۔ اور اس زمانہ میں وہان موجود تھا۔ یہ خبر سُنکر خورستان کو واپس آیا اور چونکہ خونریزی سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ ابو السرایا کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہمارا علاقہ چھوڑ کر اور جدھر چاہو چلے جاؤ" غالباً ابو السرایا نے اس درخواست کو دلیل عجز قرار دیا۔ کہلا بھیجا کہ "میں نے جس حق سے اس مقام پر قبضہ حاصل کیا ہے۔ اُس کی شہادت تلوار دے سکتی ہے" لیکن جب لڑائی کی نوبت آئی تو فیصلہ جنگ ابو السرایا کے خلاف ہوا۔ تمام فوج غارت گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو کر گھر کی طرف چلا۔ راہ میں بمقام جلولا گرفتار ہوا۔ اور قتل کر دیا گیا۔ یہ فتنہ تو یون فرو ہوا۔ مگر ابو السرایا نے ابتداً اپنے مفتوحہ شہروں پر جو عمال و نائب مقرر کئے تھے چونکہ اکثر علوی یا فاطمی تھے۔ اسلیئے ابو السرایا کے قتل نے اُن کی خودسری میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا۔ اُن لوگون نے اپنی دوزہ حکومت میں جو ظلم و زیادتیان کین اُن کے بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیئے زید نے (حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند تھے) بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ سینکڑون خاندان تباہ کر دئے۔ عباسیون کے ہزارون مکانات جلائے حسین بن الحسن نے مکہ معظمہ کا وقفی خزانہ تک لوٹ لیا۔ محمدؐ بن جعفر صادق کی حکومت مین جو چند روز کے لیئے

عرب کے فرمانروا بن گئے تھے۔ علویین اور آل فاطمہ کو وہ زور ہوگیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اُٹھا دیا گیا۔ ابراہیم بن موسےٰ یمن کے عامل تھے۔ اور سفاکانہ قتل و غارت کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ مامون نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائیے لیکن یہ کب رام ہوسکتے تھے۔ لڑے اور شکست کھائی۔ بعض گرفتار ہوکر مامون کے پاس حاضر کئے گئے۔ مگر اُس نے عظمت نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا۔

خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جو لوگ حجروں میں بیٹھکر اعتراض کے لیے قلم اُٹھاتے ہیں۔ وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیٹکل ضرورتوں کا اندازہ دان ہے اس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کرے گا۔ سادات اور علویین کو دو دن کے لیئے زور ہوگیا تو ملک میں کیا قیامت برپا ہوگئی! عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا تھا اور جو کچھ ان سے برتاؤ ہوا۔ اسی ضرورت سے ہوا۔

ہرثمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت ۲۰۰ھ

ساوات اور علویین کی بغاوتیں تو فرو ہوگئیں لیکن ملک میں جو عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان کا دار الخلافہ ہونا گوارا نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وزرات اعظم اور گورنری کے معزز منصب پر فضل و حسن ممتاز تھے۔ جو مجوسی النسل تھے۔ اہل عرب کو صاف نظر آرہا تھا کہ تمام اسلامی دنیا اور خود عرب پارسی نسلوں کے ہاتھ میں ہے۔ مامون اسوقت تک حکومت کی حیثیت سے گو بالکل معطل تھا۔ سیاہ و سپید کا مالک فضل تھا اور اُس نے دانستہ خراسان کو بغداد پر ترجیح دی تھی۔ کیونکہ ایک عجمی الاصل کو عرب کے مجمع میں اپنا زور قائم رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ ملک میں یہ کچھ برہمی پھیلی تھی لیکن فضل نے مامون کو ان حالات کی خبر تک ہونے نہ دی۔ مامون کے کانوں میں جو صدا جہاں سے پہونچتی تھی وہ فضل کی صدا تھی۔

افسران فوج میں ہرثمہ ایک نامور اور مشہور افسر تھا۔ سادات اور علویین کی پرزور

بغاوتوں کا جس نے خاتمہ کر دیا وہ بھی ہرثمہ تھا۔ خلافت عباسیہ پر اُسکے اور بہت سے حقوق تھے۔ جنکے اعتماد پر اُس نے یہ جرأت کی کہ مامون کے پاس حاضر ہو کر فضل کی سازشوں کا طلسم توڑ دے۔ ابو السرایا کی بغاوت سے فارغ ہو کر اُسنے خراسان کا ارادہ کیا فضل نے یہ خبر سُنی تو مامون کے متعدد فرمان اُسکے نام بھجوائے کہ "یہاں کچھہ ضرورت نہیں شام و حجاز انتظام طلب ہیں۔ ادوہر کا قصد کرو" مگر ہرثمہ نے جسکو اپنے حقوق خدمت پر ناز تھا۔ ان احکام کا کچھہ لحاظ نہ کیا اور سیدھا خراسان کو چلا۔ فضل نے مامون سے کہا۔ حضور نے دیکھا ہرثمہ کو احکام سلطانی کا مطلق پاس نہیں ہے۔ لیکن حضور خود خیال فرمائیں ملک پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ ہرثمہ ذوالقعدہ سنہ ۲۰۰ھ میں مرو پہونچا۔ اور اس خیال سے کہ شاید اُس کے آنے کی خبر مامون سے مخفی رکھی جائے نقارہ بجنے کا حکم دیا۔ مامون نے درباریوں سے پوچھا "کیسا غل ہے" لوگوں نے کہا "ہرثمہ جو چمکتا گرجتا آرہا ہے" ہرثمہ دربار میں حاضر ہوا تو مامون نے نہایت ذلت سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ قید رکھا جائے[1]۔ چند روز کے بعد اُسکو فضل نے قتل کرا دیا۔ اور مامون سے کہدیا کہ اپنی موت سے مر گیا۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر بغداد پہونچی تو ایک تلاطم مچگیا۔ محلہ حربیہ والوں نے پہلے ہی علم بغاوت بلند کیا تھا اور مامون کے عمال و حکام برطرف کر دئے تھے۔ اس شورش انگیز خبر نے سارے شہر میں اور ایک نئی ہلچل ڈالدی۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنا اور تمام بغداد نے اُسکی اطاعت قبول کی۔ حسن جو مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا۔ واسط میں مقیم تھا محمد بن ابی خالد اُسکے مقابلے کے لیے سنہ ۲۰۱ھ میں بغداد سے روانہ ہوا۔ راہ میں حسن کی متعدد فوجیں مقابل ہوئیں اور شکست کھا گئیں۔ محمد دیر العاقول پہونچا اور زہیر بن المسیب کو جو حسن کا عامل تھا گرفتار کر کے پابزنجیر بغداد بھیجدیا۔ ہارون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کے بعد دونوں باپ بیٹے واسطہ کی طرف بڑھے حسن نے بھی ایک عظیم الشان فوج اون کے مقابلہ کو روانہ کی۔ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۲۰۱ھ

---

[1] ابن واضح عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہرثمہ نے نہایت گستاخانہ طور پر مامون سے گفتگو شروع کی اور کہا "وہ اپنے اس ہجوی (یعنی فضل بن سہل) کو سر چڑھا رکھا ہے" مامون نے اس گستاخی کی وجہ سے اُسکو دربار سے نکلوا دیا"

سنہ ۲۰۱ھ میں دونوں فوجین صف آرا ہوئیں۔ ایک نہایت سخت جنگ کے بعد محمد بن ابی خالد نے شکست کھائی۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ کر بہت سے کاری زخم اُٹھائے تھے۔ اِسلیئے مجبورانہ بغداد کی طرف اُلٹا پھرا حسن برابر تعاقب کرتا آیا۔ محمد بن ابی خالد کے زخم شدت پکڑتے گئے۔ اور بالآخر بغداد پہونچکر انتقال کیا۔ محمد کا فرزند عیسٰے باپ کا جانشین بنا اور اہل بغداد کو لکھا کہ "اگر میرا باپ نہیں رہا تو مین اِس کا نعم البدل موجود ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو مین بغداد کو حسن کی حکومت سے آزاد کردوں گا۔ تمام بغداد نے نہایت خوشی سے اُس کی حکومت تسلیم کی۔ اگرچہ حسن کی قاہر فوجون نے عیسٰے اور اوس کے بھائی ابوزنبیل کو فاش شکستین دین۔ لیکن یہ پرجوش صدا کہ "مجوسی زادہ ہم پر حکومت نہیں کرسکتا" پست نہوئی ❊

حضرت علی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی ۲ رمضان سنہ ۲۰۱ھ

یہان یہ ہنگامے برپا تھے۔ مگر مامون ایسی غفلت کی نیند پڑا سوتا تھا کہ اُسکے کان پر جون نہ چلی۔ ذوالریاستین تمام دربار پر اس طرح محیط ہوگیا تھا کہ اُسکے خلاف کوئی خبر مامون تک نہیں پہونچ سکتی تھی۔ اب اُس نے ایک نئے انتظام سے خاندان عباس کو اور بھی زیادہ برہم کردیا۔ مامون کی بالطبع آل پیغمبر سے نہایت محبت تھی۔ جس کا ثبوت اِس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تمام پرزور بغاوتین جو اُسکے عہد میں ہوئین اِسی مقدس خاندان کی افسری مین ہوئین تاہم اُس نے ہمیشہ درگذر کی اور قابو پانے پر بھی انکی عظمت نسب کا لحاظ رکھا۔

اِس زمانہ میں حضرت علی رضا امام ہشتم موجود تھے۔ جن سے مامون ولی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد و تقدس کے علاوہ اُن کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایان تھا۔ مامون نے اُن کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہا۔ اِس سے پہلے سنہ ۲۰۰ھ میں اُسنے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں۔ آستانۂ خلافت میں حاضر ہوں عیش و دولت کی تربیت کا اثر دیکھو کہ دو ہی پشت میں۔ حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار زن و مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے اُن کا

استقبال کیا۔ اور عباسی نسلین پورے برس دن حریم خلافت کی مہمان رہین۔ اِس اثنا رمین مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ و امتحان کی نگاہ سے دیکھا۔ اور یہ قطعی رائے قایم کرلی کہ اِس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گران سنبھال لے۔ اب سنہ ۲۰۱ھ مین اُس نے ایک دربار جس میں تمام اعیان سلطنت و ارکین دربار موجود تھے منعقد کیا۔ اور سب سے خطاب کرکے کہا کہ "آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں۔ میں اون کی لیاقت کا صحیح اندازہ کرچکا ہون۔ نہ ان میں اور نہ آل علی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعوے کرسکے"۔ اُس کے بعد اُس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کے لیئے بیعت لی۔ اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا۔ جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی وردی بھی بدلدی گئی تمام ملک مین احکام شاہی نافذ ہوئے کہ "امیر المومنین مامون کے بعد حضرت علی رضا تاج و تخت کے مالک ہیں۔ اور ان کا لقب الرضا من آل محمد ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ اون کے لیئے بیعت عام لیجاوے اور عموماً اہل فوج۔ و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کرین۔ اِس انوکھے حکم نے بغداد مین ایک قیامت انگیز ہل چل ڈال دی۔ اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا۔ بعضوں نے بجبر اس حکم کی تعمیل کی۔ مگر عام صدا یہی تھی کہ دو خلافت خاندان عباس کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتی"۔

ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی یکم محرّم سنہ ۲۰۲ھ

جس زمانہ میں حضرت علی رضا کی ولیعہدی کے احکام بغداد مین پہونچے! عباسیون نے اُسی وقت سے ایک نئے خلیفہ کی تجویز شروع کی تھی۔ ۲۵۔ ذوی الحجہ روز سہ شنبہ سنہ ۲۰۱ھ میں خاص آل عباس نے خفیہ طور پر ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی۔ پھر دو شخص مقرر کیئے کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے ایک شخص بخطاب عام کہے کہ "مامون کے بعد ابراہیم کو ولیعہد خلافت قرار دینا چاہتے ہین۔ دوسرا برابر سے بولے کہ "مامون تو معزول ہو چکا۔ خلیفہ وقت ابراہیم ہے۔ اور ولیعہد خلافت اسحاق

بن الہادی۔ غالباً اس طریقہ سے عباسیون نے رضامندی عام کا اندازہ کرنا چاہا۔ مگر اُن کو خلاف توقع یہ معلوم ہوا کہ ملک اگر مامون کے خلاف ہے تو ابراہیم کے ساتھ بھی لوگون کو عام ہمدردی نہیں ہے۔ چنانچہ جب یہ دونوں شخص سکھائے ہوئے فقرے کہہ کر بیٹھ گئے تو لوگوں نے کچھ جواب نہ دیا اور ایسی برہمی ہوئی کہ لوگوں نے نماز بھی نہیں پڑھی اور مسجد سے چلے گئے۔ تاہم سندی وصالح کی کوششوں نے ابراہیم کو منصب خلافت پر پہونچا دیا۔ اور یکم محرم ۲۰۲ھ کو عموماً اہل بغداد نے بیعت خلافت کی ابراہیم نے اپنا لقب "مبارک" اختیار کیا۔ اس زمانہ میں قصر بن ہبیرۃ پر حسن بن سہل کی طرف سے حمید بن الحمید مامور تھا۔ اگرچہ وہ خود حسن کا دل سے طرفدار تھا مگر اوسکے ساتھ جتنے افسر تھے۔ خصوصاً سعید وابو البط ابراہیم سے مل گئے۔ ان لوگون نے اودھر تو حسن کے پاس خطوط بھیجے کہ حمید آپ کے خلاف ابراہیم سے خط وکتابت رکھتا ہے اودھر ابراہیم سے درخواست کی کہ حضور کا کوئی افسر آئے تو ہم قصر بن ہبیرۃ پر قبضہ کرا دین حسن نے گو ان تحریرون کا چندان اعتبار نہیں کیا۔ تاہم اسکو شبہ پیدا ہوا اور اطمینان کے لیئے حمید کو اپنے پاس بُلا لیا۔ ابراہیم نے موقع پاکر عیسےٰ بن محمد کو بھیجا جس نے ۱۰ ربیع الثانی کو قصر بن ہبیرۃ پر قبضہ حاصل کیا۔ اور حمید کا اسباب وخزانہ جیسیں نقد کی قسم سے ننلو توڑے تھے غارت عام میں آیا۔ حمید نے یہ خبر سُنی تو کوفہ کو واپس آیا۔ یہان حضرت علی رضا علیہ السلام کے بھائی عباس تشریف رکھتے تھے۔ حمید نے اُن کو بلایا اور کہا کہ آپ اپنے بھائی کی طرف سے کوفہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔ تو تمام کوفہ آپ کے ساتھ ہوگا۔ اور میں تو جان نثاری کے لیئے حاضر ہی ہوں" حمید نے لاکھ درہم بھی اون کی نذر کیئے اسکے بعد وہ حسن کے پاس چلا گیا۔ کوفہ کے اکثر لوگون نے حسن کا ساتھ دیا۔ مگر جن لوگون کو شیعہ پن مین زیادہ غلو تھا اُنھون نے حسن سے کہا کہ "اگر حضرت علی رضا کی خلافت مستقل مان کر بیعت لیجاوے تو ہم بدل موجود ہین لیکن بیچ مین مامون کا واسطہ ہوگا۔ تو ہم سے امید نرکھنی چاہیئے" چونکہ اون کی یہ خواہش حسن نے منظور نہ کی۔ یہ لوگ ناراض اُٹھے اور بالکل بے تعلق ہوکر اپنے گھرون میں بیٹھ رہے ❊

ابراہیم نے اپنے نئے دشمن عباس کے مقابلہ کے لئے سعید و ابو البط کو متعین کیا۔
جنہون نے حال میں اپنی کارگذاری دکھائی تھی کہ ابراہیم کے نائب کو قصر بن ہبیرہ
پر قبضہ دلادیا تھا۔ یہ دونون افسر قریہ شاہی میں پہونچے تو عباس نے اپنے چچیرے
بھائی علی بن محمد کو اُن کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دوسری جمادی الاول سنہ ۲۰۲ھ کو دونون
حریف معرکہ آرا ہوے۔ علی بن محمد نے ذرا دیر لڑکر شکست کھائی۔ اب ابو البط و سعید کوفہ
پر حملہ آور ہوے۔ آل عباس جو یہان موجود تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ نہایت
سخت معرکہ ہوا۔ یہ لوگ حملہ کرتے ہوے ابراہیم کی جے پکار رہے تھے اور نعرے
مارتے تھے کہ "مامون کی حکومت نہیں رہی" تمام دن لڑائی قائم رہی۔ تاہم فتح
و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ اور دوسرے دن کی نوبت آئی۔ چونکہ فریقین کا یہ
حال تھا کہ جس نے شہر کے جس حصہ پر فتح پائی آگ لگا کر غارت کردیا۔ روسائے
کوفہ سعید کے پاس حاضر ہوے۔ اور اس شرط پر امان طلب کی کہ عباس اپنے ساتھیون
کو لیکر کوفہ سے چلے جائین۔ فریقین نے اس پر رضا مندی ظاہر کی۔ اور کوفہ دونون
دعویدارون سے خالی ہوگیا۔ کیونکہ اس عہد کے بعد سعید بھی حیرہ کو واپس چلا گیا۔
کوفہ و اطراف کوفہ میں ابراہیم کی حکومت مسلم ہو گئی لیکن یہ فتحین خلافت کا قطعی
فیصلہ کرنے والی نہ تھین۔ کیونکہ ہنوز واسط مین حسن بن سہل ایک فوج گران کے ساتھ موجود
تھا۔ ابراہیم نے اس بڑی مہم کے لئے عیسے کو انتخاب کیا۔ ابن عائشہ ہاشمی و نعیم بن خازم
کو بھی حکم ہوا کہ عیسے کے ہمراہ جائین۔ راہ میں سعید و ابو البط بھی جو کوفہ کی فتح سے آئے
تھے ساتھ ہو گئے۔ غرض یہ بیشمار لشکر واسطے کے قریب نام صیادہ میں صف آرا ہوا
حسن بن سہل قلعہ بند ہوا۔ عیسے چندبار حملے کی غرض سے حسن کے لشکرگاہ کی طرف
گیا۔ مگر اس نے بالکل خاموشی اختیار کی تھی۔ اور حکم دیدیا تھا کہ لشکر کا کوئی شخص قلعہ
سے باہر نہ جائے۔ غالبًا اس مدت میں اُس نے عیسے کی قوت کا اندازہ کیا بالاخر ۲۶
رجب کو فوج اس کے حکم سے عیسے پر حملہ آور ہوئی۔ صبح سے دوپہر تک قیامت انگیز
معرکہ رہا۔ عیسے نے شکست کھائی اور ہٹنا یا پہونچ کر دم لیا۔

مامون کا عراق روانہ ہونا اور ذوالریاستین کا قتل ۲۰۲ھ

مامون جس تاریخ سے تخت نشین ہوا تھا۔ ایک دن بھی خونریزیوں سے خالی نہ گیا۔ تاہم اُسکو بالکل نہ معلوم ہو سکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا ہے۔ ابتدا میں تو حسن بن سہیل کی گورنری کا جھگڑا تھا۔ لیکن اب جو ہنگامے قائم تھے حضرت علی رضا کی ولیعہدی پر تھے درباریوں میں سے جب کسی نے مامون کے کان تک یہ صدا نہ پہونچائی تو خود حضرت علی رضا نے اِس فرض کو ادا کیا۔ انہوں نے مامون سے کہا کہ "امین کے قتل کے بعد ایک دن بھی ملک کو امن نصیب نہیں ہوا رات دن خونریز لڑائیاں قائم ہیں۔ اور اہل بغداد نے ابراہیم کو خلیفہ قرار دیا ہے" یہ بالکل ایک نئی اور غیر مانوس صدا تھی۔ مامون دفعتًا چونک پڑا اور چونکہ ذوالریاستین نے اُس کو یقین کرا دیا تھا۔ اُس نے تعجب اور انکار کے ساتھ کہا کہ نہیں ابراہیم خلیفہ نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں نے انتظامًا اُس کو نائب الریاست بنا رکھا ہے۔ حضرت علی رضا نے فرمایا کہ "ذوالریاستین نے ملک کے اصلی واقعات آپ کی نظر سے چھپا دئے۔ اور اب جو کچھ آپ کہتے ہیں اُسی کی زبان سے کہتے ہیں۔ ابراہیم جس کو آپ نائب الریاست سمجھ رہے ہیں۔ حسن بن سہل سے لڑ رہا ہے۔ اور آل عباس میں عمومًا ذوالریاستین کی وزارت اور میری ولیعہدی پر نہایت مخالفانہ جوش پھیلا ہوا ہے" (مامون) درباریوں میں کوئی اور شخص بھی ان حالات سے واقف ہے؟ (علی رضا علیہ السلام) ہاں یحیٰی بن معاذ و عبدالعزیز بن عمران اور بہت سے افسر" مامون نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ جو کچھ حضرت علی رضا فرماتے ہیں۔ تم اُس کی نسبت کیا جانتے ہو۔ ذوالریاستین کے ڈر سے کسی کو شہادت دینے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ مگر جب مامون نے خود ذمہ داری کی کہ ذوالریاستین ان کو کچھ ضرر نہ پہونچا سکے گا۔ اور اس مضمون کی ایک دستاویز بھی اپنے ہاتھ سے لکھ دی۔ تو اُن لوگوں نے پوست کندہ حالات بیان کر دئے۔ اور کہا کہ ہر چند ہمیں باتوں کے عرض کرنے کے لئے حضور میں حاضر ہوا تھا۔ مگر ذوالریاستین نے ایسے جان نثار کو حضور کی نگاہ میں دشمن بنا دیا۔ اور اُس کی

تمام امیدین خاک مین ملادین۔ ان لوگون نے مامون کو یہ بھی جتا دیا کہ اگر جلد تلافی نہین
کی جاتی تو بنیاد خلافت کے متزلزل ہونے مین کچھ باقی نہین رہا ہے چونکہ ان
لوگون نے اپنی شہادت مین یہ بھی رائے دی تھی کہ حضور کا دارالخلافہ مین تشریف
رکھنا ان سب مشکلون کو حل کردیگا۔ مامون نے بغداد کا قصد کیا۔ ذوالریاستین کو اس ارادے
کی اطلاع ہوئی تو اُس نے بآسانی معلوم کرلیا کہ مامون کے کان مین کوئی نئی صدا پڑی
ہے۔ اُس نے تمام افسرون کے نام بھی تحقیق کرلیئے۔ اور حضرت علی رضا کے سوا جن پر
اُس کا قابو نہین چل سکتا تھا (یا پاس ادب مانع تھا)۔ باقی ہر ایک کو مختلف قسم کی اذیتین پہونچائین
کسی کو قید کیا کسی کو کوڑے پٹوائے کسی کی ڈاڑھی منڈوائی۔ اس پر بھی مامون ذوالریاستین
سے کچھ بازپرس نہ کرسکا۔ اور جب حضرت علی رضا نے اس کا تذکرہ کیا تو مامون نے نرمی
سے جواب دیا کہ مین غافل نہین ہون۔ مگر تدبیر مناسب سے کام لینا چاہتا ہون۔
مامون جب سرخس پہونچا۔ تو چند آدمیون نے جن کا پیشوا غالب مسعودی تھا۔
حمام مین پہونچکر جمعرات کے دن ۲ شعبان سنہ ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین کو قتل کردیا۔ یہ عجیب بات
ہے کہ جو لوگ ذوالریاستین کے قتل مین شریک تھے سب مختلف اور دور دور ملکون کے
رہنے والے تھے۔ یعنی قسطنطین روم کا۔ فرج دیلم کا۔ موفق صقلیہ کا۔
مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلون کو گرفتار کرکے لائے اُس کو دس ہزار اشرفیان
انعام مین ملین گی۔ عباس بن الہیثم نے یہ انعام حاصل کیا۔ جب یہ لوگ مامون کے پاس
حاضر کیئے گئے اور پوچھا گیا کہ دوکس کے ایما سے تم نے ایسا کیا؟ تو سب نے خود مامون کا نام لیا۔
اور اس بیباکی پر یا اصل جرم کی پاداش مین مامون کے حکم سے قتل کردیئے گئے۔ اس کے بعد
عبدالعزیز بن عمران و موسیٰ وغیرہ چند اشخاص جن پر شبہ تھا طلب ہوئے اور استفسار ہوا کہ
اس واقعہ کے متعلق کچھ جانتے ہو۔ سب نے کانون پر ہاتھ رکھا۔ مامون نے ان لوگون کو بھی قتل
کرادیا۔ گو تمام واقعات شہادت دے رہے تھے کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایما سے ہوا۔
مگر مامون نے اپنی متعدد کارروائیون سے اس یقین کو شبہ سے بدل دیا۔ قاتلون کے سر حسن بن
سہل کے پاس بھجوا دئیے۔ اور نامہ تعزیت مین بہت کچھ رنج و غم ظاہر کیا۔ اور لکھا کہ دو تم اپنے

بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کئے گئے" ذوالریاستین کی ماں کے پاس برسم تعزیت گیا اور تسلی دے کر کہا کہ "آپ صبر کریں بجائے ذوالریاستین کے میں آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں" ان موثر فقروں نے اس کو اور بھی بیتاب کر دیا۔ اور رو کر کہا کہ "ایسے بیٹے کا کیوں نہ غم کروں جس نے میرے لئے تم سا فرزند چھوڑا" ذوالریاستین کے قتل کے تھوڑے دن بعد اُس کے باپ سہل نے بھی وفات پائی۔ اسی زمانہ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کی۔ ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ذوالریاستین کے خون سے ہلکی نہوئی۔ تاہم عام خلقت کی نگاہ بہت کچھ بدل گئی۔ اور کم سے اتنی بات ضرور ثابت ہو گئی کہ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ورنہ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اُس نے فراموش نہیں کیا ہے۔ اور اُس کے خاندان کے ساتھ اب بھی اُس کو وہی ہمدردی ہے۔ جو پہلے تھی۔ ذوالریاستین کی موت نے یوں تو اُس کے تمام خاندان کو نہایت صدمہ پہونچایا۔ مگر اُس کے بھائی حسن نے اِس واقعہ کے بعد سے ایک دن بھی رونے پیٹنے سے نجات نہ پائی۔ اور بالآخر اسی صدمہ نے اُس کو مختل الحواس کر دیا ۲۰۳ھ میں اُس کے ہوش بالکل درست نہیں رہے تو احتیاط کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ مامون اُس کی جگہ احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مامون کی مستقل خلافت کا زمانہ دراصل فضل کے قتل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات ۲۰۳ھ

اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہونچکر دفعتًا انتقال فرمایا لکھتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہرون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا۔ حضرت علی رضا نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہرون الرشید کی قبر اُکھڑوا کر حضرت علی رضا بھی اُسی میں دفن کئے جائیں جس سے مقصود یہ تھا کہ رشید بھی حضرت علی رضا کی برکت سے مستفید ہو۔ مامون کو حضرت علی رضا کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا۔ وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا۔ اور رو کر کہتا تھا

"اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں"۔ تین دن تک قبر پر مجاور رہا۔ اور صرف ایک روٹی و نمک روزانہ اُس کی خوراک رہی[1]۔

اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہل بیت کا مداح اور خلفائے بنی عباس کا نہایت دشمن تھا۔ ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ماینفع الرجس من قرب الذکی و لا   علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

(یعنی) "ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہونچتا۔ اور نہ پاک کا اُس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے"۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ "حضرت علی رضا کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا"۔ مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔

شیعہ بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ "خود مامون نے زہر دلوایا"۔ افسوس ہے کہ ہمکو شیعون کی تاریخی تصنیفات نہین ملین کہ ہم اس بحث کو دونون فریق کی روایتون کے لحاظ سے فیصل کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفین جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سُنیون کی ہی تصنیفین ہین۔ اور بظاہر اُن مین مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہین رکھا گیا ہے تاریخی واقعات کی نسبت ہمکو انھیں کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ جہان تک ہمکو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جرات نہین کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظون مین اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے۔ ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات اُن لوگون کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے۔ ہم اُس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں۔ تاہم اُس نے مامون کے بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لین تو بھی یہی ماننا پڑیگا۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے۔ اور نہ اُن سے

---

[1] ابن واضح عباسی نے یہ واقعہ خود اس شخص سے روایت کیا ہے جو حضرت علی رضا کی تجہیز و تکفین مین شریک تھا۔ اور مین نے ابن واضح کی تاریخ سے اسکو نقل کیا ہے۔ ۱۲

حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے۔ مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طرز عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے بہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتا دیگا کہ مامون پر یہ غلط اتہام ہے۔ بے شبہہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولیعہدی سے ناراض تھے۔ انہیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی

حضرت علی رضا آئمہ اثنا عشریہ میں ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۵۳ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ نہایت بڑے عالم اور اتقا سے روزگار میں سے تھے۔ مامون کے لئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ لکھے اس نے جواب دیا کہ وہ ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے۔ چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضا کی وفات سے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ وہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو؟ مگر مامون کو خلاف توقع اچھی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا۔

ابراہیم کی معزولی ۲۰۳ھ

مامون جس زمانہ میں بغداد کو روانہ ہوا تھا۔ تو ابراہیم مدائن میں موجود تھا اور عیسےٰ بن محمد و مطلب بن عبد اللہ وغیرہ افسران فوج اس کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ اس وقت تک اگرچہ نہایت ثابت قدم رہے۔ مگر غالباً اس بات کا سب کو یقین تھا کہ ابراہیم کی خلافت اسیوقت تک ہے جب تک مامون بغداد سے دور ہے جب اسکی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ ابراہیم کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ مطلب بیماری کا بہانہ کر کے مدائن سے چلا آیا۔ اور بغداد میں لوگوں سے خفیہ

مامون کے لئے بیعت لینی شروع کی۔ خود منصور بن المہدی ابراہیم کے بھائی نے اول بیعت کی مطلب نے علی بن ہشام وحمید کو بھی لکھا کہ بغداد چلے آو۔ ابراہیم کو یہ حالات معلوم ہوئے تو مدائن سے روانہ ہو کر ۱۵ صفر ۲۰۲ھ کو زندرود پہونچا۔ اور جن لوگوں نے مامون کے لئے بیعت کی ان کو طلب کیا۔ جن میں سے منصور وخزیمہ تو حاضر ہو گئے۔ اور اُن کا قصور معاف کر دیا گیا۔ لیکن مطلب کو اُسی کے خاندان نے روکا کہ "اپنی بات پر قائم رہنا چاہیے"۔ ابراہیم نے اذن عام دیدیا کہ ۲۷ صفر کو مطلب کا گھربار لوٹ لیا جاوے۔ حمید وعلی بن ہشام اب ابراہیم کی خلافت مدائن پر قابض ہو گئے ابراہیم کا نہایت نامور افسر عیسے بن محمد بھی حسن بن سہل سے مل گیا۔ شوال ۲۰۳ھ میں باب الجسر پر اُس نے یہ اعلان دیدیا کہ میں اس معاملہ میں دونوں فریق سے الگ رہوں گا۔ اور حمید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا ہے۔ ابراہیم نے اُس کی طلبی کے لئے متعدد قاصد بھیجے۔ بڑے اصرار سے آیا تو ابراہیم نے عتاب ظاہر کیا۔ اُس نے معذرت کی۔ ابراہیم نے غیظ میں آکر اس کو قید خانے بھیجدیا۔ اور اُس کے چند افسر واعزہ کو بھی سزا دی عیسے ایک نہایت معزز رتبہ کا آدمی تھا اور بہت سے نامور افسر اُس کے ساتھ تھے۔ اُس کے قید ہونے نے سب کو برہم کر دیا۔ بالخصوص عباس جو عیسے کا خلیفہ خاص تھا۔ اُسنے اپنی پرجوش تقریروں سے تمام بغداد کو ابراہیم کا مخالف بنا دیا۔ جسر وکرخ وغیرہ پر ابراہیم کے جو عامل تھے سب نکالدیے گئے اور لوگوں نے حمید کو خط لکھا کہ آپ یہاں کا قصد کیجئے کہ ہم بغداد آپکے حوالہ کر دیں۔ حمید نہر صرصر پہونچکر ٹھہرا عباس ور تمام افسران فوج اُس کے استقبال کو گئے یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام یاسریہ میں مامون کا خطبہ پڑہا جاوے۔ اور ابراہیم معزول کر دیا جاوے۔ حمید نے اہل فوج کو پچاس پچاس روپیہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ معینہ پر حمید یاسریہ میں داخل ہوا۔ مگر انعام کی تعداد میں اس لئے اختلاف پیدا ہوا کہ اہل فوج نے پچاس کے عدد کو منحوس بتایا کیونکہ علی بن ہشام نے بھی یہی تعداد مقرر کی تھی اور بالآخر فساد کی باعث ہوئی۔ اہل فوج نے کہا کہ اس وقت ہمکو چالیس دلائے جاویں تاکہ پچاس کے منحوس عدد سے یہ تعداد مختلف رہے۔ عیسے نے فیاضی سے پچاس کے عدد کو بڑہا کر ساٹھ کر دیا جسکے ساتھ نحوست کا شبہ بھی رفع ہو گیا

ابراہیم نے اس مشکل وقت میں عیسے کو قید سے رہائی دیکر حکم دیا کہ حمید کے مقابلے پر جائے عیسے نے ایک سازشی حملہ کیا۔ اور وسط فوج میں گھس گیا۔ جس سے ظاہر میں یہ دکھانا مقصود تھا کہ ابراہیم کی وفاداری میں اُس نے جان تک کی بھی پروانہ کی۔ لیکن فوج نے اس کی دلی خواہش کے موافق زندہ گرفتار کرلیا۔ ابراہیم نے باقی ماندہ فوج سے حمید کا مقابلہ کیا یہ اس کی اخیر کوشش تھی۔ لیکن وہ اب بھی کامیاب نہ ہوا اخیر ذی قعدہ ۲۰۳ھ مین جو معرکہ ہوا اس نے ابراہیم کی قسمت کا قطعی فیصلہ کردیا۔ ذی الحجہ کی ۱۷ تاریخ بدھ کی رات ۲۰۳ھ ابراہیم کی تاریخ حکومت کا اخیر صفحہ تھا۔ جس دن اُس نے تبدیل لباس کی۔ اور کہیں غائب ہوگیا۔ ابراہیم کی خلافت نے کل ایک برس گیارہ مہینے ۱۲ دن کی عمر پائی

مامون کا بغداد داخل ہونا صفر ۲۰۴ھ

مامون قریبًا رجب ۲۰۳ھ میں مرو سے روانہ ہوا۔ اور صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہونچا۔ اس کا یہ سفر ایک طرح پر ملک کا دورہ تھا جس میں اُس نے حالات ملک سے بہت کچھ واقفیت پیدا کی اور مختلف شہرون مین مناسب انتظامات کیے۔ نہروان پہونچا تو بغداد کے تمام اعیان وعمائد وافسران فوج بڑے جوش سے اُس کے استقبال کو گئے۔ طاہر بن الحسین بھی جس کو مامون نے رقعہ سے طلب کیا تھا۔ یہین باریاب حضور ہوا۔ نہروان مین آٹھ دن قیام کرکے مامون بغداد کو چلا۔ اور ۱۵ صفر ۲۰۴ھ کو بڑی شان وشوکت سے دار الخلافہ میں داخل ہوا جہان ایک مدت سے ہزارون نگاہین اس نا انتظار کررہی تھین۔ مامون خود اور اس کے تمام افسر سبز لباس میں تھے۔ اہل بغداد بھی مامون کے لحاظ سے سبز لباس پہنے دربار مین آئے مگر عام خواہش اس کے خلاف تھی۔ لوگ آرزومند تھے کہ اُن کی آنکھین عباسیہ حکومت کو اس کے اصلی لباس میں دیکھین چنانچہ جب مامون نے طاہر کو بلاکر اُس کی کارگزاریوں کا صلہ دینا چاہا۔ اور کہا کہ "جو مانگنا ہو مانگ" تو اُس نے یہی خواہش ظاہر کی کہ آل عباس کی یہ آرزو پوری کردی جائے مامون نے یہ معقول درخواست منظور کی۔ اُس نے خود دربار عام میں سیاہ لباس منگوا کر پہنا۔ اور طاہر ذوالیمینین و تمام افسران فوج کو سیاہ رنگ کے خلعت مرحمت

۲۳ صفر ۲۰۴ھ کو کل اہل بغداد سیاہ لباس میں تھے۔ اور اُس دن گویا یہ عملی اعلان عام دیدیا گیا کہ اب تمام اسلامی دنیا میں **آل عباس** کی حکومت ہے۔

طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا ۲۰۵ھ

اس سال ایک عجیب تقریب سے طاہر کو اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا یعنی وہ کل مشرقی حکومت پر جس کی دار الخلافۃ بغداد سے شروع ہو کر سندھ تک منتہی ہوتی ہے۔ نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات طاہر مامون کی بزم عیش میں حاضر ہوا۔ مامون بادہ نوشی کے مزے لے رہا تھا۔ بے تکلفی میں اُس نے دو پیالے طاہر کو بھی مرحمت کئے اور اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی۔ طاہر نے با ادب عرض کیا کہ "میرا منصب اس عزت کا مستحق نہیں ہے"! مامون نے کہا "یہ قیدیں دربار عام کے لئے مخصوص ہیں بے تکلفی کے جلسوں میں اِس قسم کے قواعد کی پابندی ضرور نہیں"! طاہر آداب بجالا کر بیٹھ گیا۔ مامون نے اُسکی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے طاہر نے عرض کیا کہ اب کیا آرزو باقی رہی ہے جسکا حضور رنج کر سکتے ہیں"! مامون نے کہا "کچھ ایسی بات ہے جس کے پوشیدہ رکھنے میں تکلیف اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ طاہر اُس وقت تو چپ ہو رہا مگر دل میں خلش پیدا ہوئی کہ آخر کیا بات ہے حسین جو مامون کا ساقی اور ندیم خاص تھا۔ طاہر نے اُسکو دو لاکھ درہم نذر بھیجے اور درخواست کی کہ اُس دن کے واقعہ کا سبب دریافت کر دے حسین نے موقع پاکر پوچھا مامون نے کہا۔ اگر یہ بات آگے بڑھی تو تیرا سر اڑا دوں گا"! سچ یہ ہے کہ جب طاہر میرے سامنے آتا ہے۔ تو بھائی امین کا ذلت و بیکسی سے مارا جانا یاد آتا ہے"! "میرے ہاتھ سے ضرور طاہر کو کسی دن ضرر پہونچے گا"! طاہر کو یہ بات معلوم ہوئی تو احمد بن ابی خالد الاحول کے پاس گیا (حسن بن سہل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوا تھا) اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اور میرے ساتھ بھلائی کرنی فائدے سے خالی نہیں۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ مامون کی آنکھ سے دور رہوں۔ احمد بن ابی خالد نے اُس کا ذمہ لیا۔ اور دوسرے دن صبح کے وقت مامون کے پاس حاضر ہوا۔ چونکہ چہرہ سے تردد اور پریشانی نمایاں تھی تو مامون نے

پوچھا) کیوں؟ کیا کوئی نئی بات ہے؟ (احمد) حضور مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی (مامون) آخر کیوں۔ (احمد) میں نے سنا کہ حضور نے خراسان کی حکومت غسان کو دی جس کے ساتھ مٹھی بھر آدمی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر سرحد کے ترکوں نے حملہ کیا تو کیا غسان اُن کو روک سکیگا۔ (مامون) یہ خیال تو مجھکو بھی تھا۔ اچھا تم کسی کو تجویز کرتے ہو؟ (احمد) طاہر ذوالیمینیں سے بہتر کون شخص انتخاب ہو سکتا ہے (مامون) مگر اُس کے خیالات تو باغیانہ ہیں۔ اور وہ نقض بیعت پر آمادہ ہے (احمد) اس کا میں ذمہ دار ہوں (مامون) اچھا تو تم اپنی ذمہ داری پر مقرر کرو۔ طاہر طلب ہوا اور سند حکومت کے ساتھ ایک کروڑ درہم بھی جو عموماً خراسان کے گورنروں کو ملتے تھے، عطا ہوئے۔ طاہر نے ایک مہینہ میں ساز و سامان سفر درست کیا اور ۲۹ ذوقعدہ سنہ ۲۰۵ ہجری کو خراسان روانہ ہوا۔ طاہر کا بیٹا اُس کے بعد صاحب الشرطۃ مقرر ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی ذاتی لیاقت نے مصر کی گورنری پر پہونچا دیا تقرر کے وقت مامون نے اُس کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ "یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا جس کے تم دراصل مستحق ہو" طاہر نے یہ مژدہ سنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا[1] جو آئین حکومت۔ انتظامات ملکی۔ رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور العمل تھا یہ خط اس قدر مقبول عام ہوا کہ تمام لوگوں نے اُس کی نقلیں لیں۔ خود مامون نے اُس کی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں۔ اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین۔ و تدبیر و رائے۔ و سیاست۔ و اصلاح ملک۔ و حفاظت سلطنت و قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی۔

عبدالرحمٰن بن احمد کی بغاوت سنہ ۲۰۶ھ

اُسکی بغاوت نہ چنداں بیجا تھی نہ بہت پُر زور تھی۔ لیکن وہ اس لئے زیادہ یاد

[1] علامہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اس خط کو تمامہا نقل کیا ہے

رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اس سے مامون کی تاریخ زندگی میں ایک نیا انقلاب شروع ہوتا ہے
یمن کے لوگ عمال کی بے اعتدالیوں سے باغی ہو گئے تھے۔ ان کو ایک صاحب اثر
شخص سمجھ کر خلیفہ قرار دیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ لیکن ایک
معاہدہ امن بھی لکھ دیا کہ اگر عبدالرحمن قبول کرلے تو لڑائی کی کچھ ضرورت نہیں
زمانہ حج میں دینار یمن کو روانہ ہوا۔ اور معاہدہ امن عبدالرحمن کے پاس بھیجدیا عبدالرحمن
نے خود دینار کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور بغداد چلا آیا۔ مامون سادات کی پیہم بغاوتوں
سے نہایت تنگ آگیا تھا۔ اب اس نے ۲۸ ذوقعد ۲۰۱ھ ہجری کو حکم دیدیا کہ عموماً
آل علی اپنا امتیازی لباس چھوڑ کر سیاہ لباس اختیار کریں۔ اور آج سے دربار میں نہ
آنے پاویں۔ مامون کو اس خاندان سے جو بے لاگ محبت تھی سیاست ملکی نے اس
کو اس صورت میں بدل دیا۔ جس کی تاریخ ۲۸ ذوقعدہ سے شروع ہوتی ہے۔

ذوالیمینین طاہر کا وفات پانا۔ روز شنبہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ ہجری مقام مرو۔

مامون نے اگرچہ احمد بن ابی خالد کی ذمہ واری پر طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے
کی حکومت دیدی تاہم وہ اس کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ طاہر خراسان کو روانہ ہوتے ہوئے
جب مامون سے رخصت ہونے گیا۔ تو مامون نے ایک خاص غلام اس کے ساتھ کردیا
جس کی نسبت طاہر کو یہ یقین دلایا کہ اس کی کارگذاریوں کا صلہ ہے۔ مگر درپردہ غلام کو ہدایت
کی تھی۔ کہ اگر طاہر کے خیالات۔ بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دیدے۔ خراسان پہونچکر غالباً
طاہر نے بغاوت کا ارادہ کیا مگر مورخین اس کا کوئی علمی ثبوت بجز اسکے نہیں پیش
کرتے کہ ایک جمعہ میں طاہر نے خطبہ میں مامون کا نام نہیں پڑھا کلثوم بن ثابت خراسان
کا پرچہ نویس اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے گھر پر آکر غسل کیا۔ اور کفن پہنکر مامون

کو اِس واقعہ کی عرضی لکھی۔ اُسکو یہ یقین تھا کہ طاہر کو بھی ضرور اِس حال سے خبر ہوگی۔ اور وہ اُسکو زندہ نہ چھوڑے گا۔ مامون نے عرضی پڑھی تو احمد بن ابی خالد کو بلا بھیجا اور کہا کہ ابھی وقت خراسان روانہ ہو۔ احمد نے بڑے اصرار سے رات بھر کی مہلت لی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا پرچہ پہونچا کہ طاہر نے دفعتاً انتقال کیا۔ احمد کا جانا ملتوی رہ گیا۔ طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا۔ ہفتہ کی صبح کو لوگ عیادت کے لئے گئے تو دربانوں سے معلوم ہوا کہ آج خلاف معمول ابھی تک خوابگاہ میں ہے۔ زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا بعضوں کا بیان ہے کہ پلکوں میں کچھ عارضہ پیدا ہوا جس سے وہ دفعتاً گر پڑا اور مر گیا۔

مامون نے طاہر کے بعد اُس کے بیٹے طلحہ کو خراسان کی حکومت دی دوسرے بیٹے عبد اللہ کو بھی معزز عہدے دئے۔ طاہر کی تین پشتوں یعنی خود طاہر و عبد اللہ بن طاہر و عبید اللہ بن عبد اللہ نے دولت عباسیہ میں بڑا اقتدار حاصل کیا۔ ہم کو اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے زہر دلوایا۔ لیکن اگر مامون کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر اِس نظیر کے لئے ہم دور نہ جائیں اور خود مامون کے نامور باپ ہارون الرشید کی طرف نگاہ اُٹھائیں تو کیا ثابت ہوگا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اُسنے ایک خیالی الزام پر برامکہ کا وہ فیاض خاندان جس کی نظیر سے کل تاریخ اسلام خالی ہے ایک لحظہ میں دنیا سے ناپید کر دیا۔ لیکن مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اُس کا ضروری فرض تھا۔ تاہم اُس کے خاندان سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اُس کی اولاد

سلہ مصنف عیون والحدائق۔ کامل۔ ابن خلدون۔ ابوالفدا۔ کسی نے نہیں لکھا کہ طاہر کیوں کر مرا۔ مگر عربی مورخین کی یہ عام عادت ہے کہ وہ واقعات کو بالکل سادہ لکھتے ہیں اور اِس بات سے بحث نہیں کرتے۔ صرف ابن خلکان ایک شخص ہے۔ جس نے اِس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اور چونکہ اُس نے نہایت معتبر تاریخ کا یعنی ہارون بن عباس بن مامون الرشید کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے۔ میں نے اِس موقع پر جو کچھ لکھا ہے اسی سے لکھا ہے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ۔ طاہر ۱۲ منہ

کو اس رتبہ پر پہونچایا کہ کچھ زمانے کے بعد خراسان میں اُن کی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ مامون کے پاس جب طاہر کے مرنے کی خبر آئی تو اُس نے کہا کہ "خدا کا شکر ہے جس نے طاہر کو مجھ سے پہلے بلایا" اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ طاہر کی بغاوت کا اس کو کافی یقین ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں معلوم ہوگا کہ مامون ملک کے ہر ایک جزئی حالات سے کس قدر واقفیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے اُس کی رائے اُن معاملات میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔

افریقہ۔ اور منصور بن نصیر کی بغاوت
سنہ ۲۰۸ ہجری

افریقہ کو ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے قریباً سو برس گذر چکے تھے مگر عہد فتح سے آج تک ہمیشہ خطرناک بغاوتیں برپا رہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں پہلے بھی اطاعت کا مادہ نہ تھا۔ اور قبائل عرب کے ملجانے سے جو ایک مدت سے اِن اطراف میں جا کر آباد ہوتے جاتے تھے۔ اُن کی سرکشی اور بھی پرخطر اور تیز ہوگئی تھی۔ یہاں کا جو خراج تھا وہیں کے امن و انتظام قائم رکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بلکہ مصر کے خزانے سے اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ منگانے پڑتے تھے۔

سنہ ۱۸۴ ہجری میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے افریقہ سے چالیس ہزار دینار بطور خراج کے دینے منظور کئے تھے۔ ابراہیم نے نہایت نیک نامی کے ساتھ حکومت کی۔ اور پھر افریقہ کی گورنری اُس کے خاندان کا موروثی ترکہ ہوگیا چنانچہ مامون کے زمانہ میں جو شخص اِس منصب پر ممتاز تھا۔ وہ ابراہیم کا نامور فرزند زیادۃ اللہ تھا۔ سنہ ۲۰۸ ہجری میں ٹونس میں ایک تازہ بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ جس کا بانی منصور بن نصیر تھا۔ زیادۃ اللہ نے ایک افسر کو جس کا نام محمد بن حمزہ تھا تین سو سوار دے کر بھیجا

کہ دفعتاً ٹونس پہونچکر منصور کو گرفتار کرلائے۔ لیکن محمد کے پہونچنے سے پہلے منصور کو خبر ہوگئی۔ اور وہ طلیندہ چلا گیا۔ محمد کو ٹونس میں بالکل ناکامی ہوئی۔ اب اُس نے یہاں کے قاضی کو منصور کے پاس بطور سفارت کے بھیجا۔ چالیس اور بڑے بڑے ثقات قاضی صاحب کے ساتھ گئے کہ وعظ و پند کا فسوں پھونک کر منصور کو مسخر کرلائیں۔ مگر منصور ان سادہ دل ملاؤں سے زیادہ چالاک تھا۔ اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ "میں تو قدیم نمکخوار ہوں۔ آج کی رات آپ ماحضر قبول فرمائیں۔ کل میں خود آپ کے ہمرکاب چلونگا" منصور نے محمد کو بھی دعوت کے کھانے اور فواکہ بھیجے اور لکھا کہ کل قاضی صاحب کے ساتھ شرف خدمت حاصل کروں گا۔ محمد اور اُس کی مختصر فوج نے نہایت اطمینان کے ساتھ دعوت کے مزے اُڑائے۔ اور خوب شرابیں پیں ہنوز خمار نہیں اُترا تھا۔ کہ دفعتاً طبل جنگ کی مہیب آواز نے ان بدمستوں کو چونکا دیا۔ اُٹھے تو منصور ایک جمعیت کثیر کے ساتھ سر پر موجود تھا۔ محمد کی فوج نے بھی ہتھیار سنبھالنا چاہا۔ مگر اعضا رقابو میں نہ تھے۔ تاہم ایک سخت معرکہ ہوا اور ساری رات لڑائی رہی۔ محمد کی فوج بالکل قتل ہوگئی۔ صرف وہ لوگ بچ گئے جو دریا میں کود پڑے اور تیر کر اُس پار نکل گئے ٹونس میں جو شاہی فوج تھی اُس نے بھی منصور کی خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آئندہ منصور اگر زیادۃ اللہ سے مل گیا تو وہ کسی طرف کے نہ ہوں گے۔ یہ شرط پیش کی کہ آپ زیادۃ اللہ کے کسی عزیز کو قتل کرا دیجئے۔ اسمعیل کے قتل سے جو زیادۃ اللہ کا رشتہ دار اور ٹونس کا عامل تھا۔ یہ خواہش پوری کردی گئی۔ ٹونس کے اضلاع میں منصور کی قوت روزافزوں ترقی کررہی تھی۔ اور اس وجہ سے ضرور تھا کہ زیادۃ اللہ بھی برابر کی طاقت سے اُس کا مقابلہ کرے۔ اُس نے اپنے وزیر خاص غلبوں کو اس مہم کے لئے انتخاب کیا۔ مگر دسویں ربیع الاول کو جو معرکہ ہوا۔ اُس میں غلبوں نے شکست کھائی اور فوج جو ساتھ تھی باغیانہ افریقیہ کے مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ غلبوں کو شکست دیکر منصور کے حوصلے بلند ہوگئے۔ اُس نے خود زیادۃ اللہ کی دارالحکومت قیروان کو جا گھیرا ۴۰ دن تک محاصرہ رہا اور بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ مگر آخیر لڑائی میں جو ۱۵ جمادی الثانی

کو پیش آئی زیادۃ اللہ اس سرو سامان سے نکلا کہ منصور نے پہلے ہی ہمت ہار دی۔ مقابلہ ہوا۔ لیکن نتیجہ جنگ وہی تھا۔ جو منصور کے خیال میں چونکہ محاصرہ کے زمانہ میں قیروان والے منصور سے مل گئے تھے زیادۃ اللہ نے اب اُن سے انتقام لینا چاہا۔ لیکن علما اور فقہا بیچ میں پڑے اور اسکو اس ارادے سے باز رکھا۔ تاہم عبرت کے لئے قیروان کی شہر پناہ بالکل برباد کردی گئی۔

اگرچہ منصور خود شکست کھا کر قیروان سے چلا گیا۔ مگر اُس کے سرداروں نے افریقہ کے اکثر اضلاع دبا لئے تھے۔ اِن میں سے ایک شخص عامر بن نافع تھا جس نے سبیبہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۲۰۹ھ ہجری میں زیادۃ اللہ نے محمد بن عبد اللہ اپنے ایک عزیز کو اُس کے مقابلے پر بھیجا۔ ۱۰ محرم کو ایک سخت معرکہ ہوا۔ محمد نے شکست کھائی اور قیروان کو الٹا واپس آیا۔ اِس اثنار میں منصور نے دوبارہ قوت حاصل کی اور چونکہ فوج جو منصور کے ساتھ تھی۔ اُس کے اہل وعیال قیروان میں رہ گئے تھے اُس نے پھر قیروان کا محاصرہ کیا۔ ۱۲ دن محاصر رہا۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر منصور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اہل فوج کے عزیز واقارب قیروان سے نکل آئے۔ اور اپنے عزیزوں سے آکر مل گئے منصور بھی تونس کو واپس چلا آیا۔ افریقہ کے اکثر اضلاع زیادۃ اللہ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ خود شاہی فوج نے جو منصور کے ساتھ ہوگئی تھی۔ زیادۃ اللہ کو مغرورانہ پیغام کہلا بھیجا کہ "جو تدبیر تم کو جانبر کرسکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم افریقہ سے اور کہیں چلے جاؤ۔ اِس سعادت کے صلے میں ہم تمھاری جان سے کچھ تعرض نہ کرینگے"

چند اتفاقی واقعات نے اگر مساعدت نہ کی ہوتی تو آل اغلب کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ مگر ۲۱۱ھ ہجری میں عامر جو منصور کا دہنا ہاتھ تھا۔ خود منصور سے ناراض ہوگیا۔ اور بالآخر اُسکو قتل کرادیا۔ یہ محسن کشی بھی کچھ زیادہ نہ پھلا۔ وہ بھی تین برس کے بعد قضا کی۔ اور زیادۃ اللہ کے لئے افریقہ کی حکومت بے خلش چھوڑ گیا۔ زیادۃ اللہ کو ان واقعات نے بالکل مطمئن کر دیا۔ اُس نے کچھ بیجا نہیں کہا کہ "وہ اب لڑائی سے اپنے ہتھیار رکھ دیئے!!!"

نصر بن شبیث کا گرفتار ہونا سنہ ۲۰۹ھ

نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ اور امین الرشید کا نہایت جان نثار دوست تھا۔ محاصرہ کے زمانہ میں تو امین کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ لیکن امین کے قتل کے بعد علانیہ بغاوت ظاہر کی۔ اور چونکہ عرب کے بعض قبائل اور بہت سے خانہ بدوش بدّو بھی اُس کے ساتھ ہو گئے۔ اُس نے حلب و میساط وغیرہ پر قبضہ کر لیا حسن بن سہل نے طاہر کو جو حال ہی میں بغداد کی فتح کا فخر حاصل کر چکا تھا۔ اُس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ایک سخت جنگ کے بعد طاہر نے شکست کھائی۔ اور رقہ کو واپس گیا سنہ ۱۹۹ ہجری میں جزیرہ کے تمام اضلاع نصر کے قبضہ اقتدار میں آ گئے۔ اور سنہ ۲۰۸ھ تک اُس کی بغاوت شاہی قوت کی حریف مقابل رہی سنہ ۲۰۴ ہجری میں جب طاہر رقہ سے چلا آیا تھا تو اُس کا بیٹا عبداللہ اس مہم پر مامور ہوا۔ لیکن چار برس کی متواتر کوششوں نے بھی کوئی نتیجہ نہیں پیدا کیا۔ سنہ ۲۰۶ ہجری میں مامون نے محمد عامری کو نصر کے پاس سفیر کر کے بھیجا نصر نے گو اطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں وہ پیش کیں۔ جو مامون کے نزدیک بغاوت کی سرکشی سے کچھ کم نہ تھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ مَیں دربار میں حاضر نہ ہوں گا۔ مامون نے اُس کے قبول کرنے سے بالکل انکار کیا۔ محمد عامری واپس گیا۔ اور نصر سے کہا کہ مامون کو تمہاری حاضری ہی پر زیادہ اصرار ہے۔ نصر دفعتاً جھلا اُٹھا اور کہا کہ "چند مینڈکوں (قوم زط)[1] پر جس کا زور نہ چل سکا۔ اُس کے آگے عرب کے ہزاروں جانباز کیونکر سر جھکا سکتے ہیں"۔ لیکن نصر کا یہ غرور قائم نہ رہا۔ عبداللہ بن طاہر نے اُسکو اتنا تنگ کیا کہ بلا کسی شرط کے ہتھیار رکھ دیئے۔

ابن عائشہ و مالک کا قتل اور ابراہیم کی گرفتاری سنہ ۲۱۰ھ

ابراہیم جس نے بغداد میں علم خلافت بلند کیا تھا۔ گو مدت سے روپوش ہو گیا تھا۔ لیکن

---

[1] چونکہ قوم زط کی بغاوت کو مامون فرو نہ کر سکا تھا۔ نصر نے طعنہ دیا۔ ۱۲

اُس کے قدیم رفقاب بھی اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اور چاہتے تھے کہ ابراہیم کو دوبارہ تختِ خلافت دلائیں ۔ مامون کو اِس سازش کی بہت جلد اطلاع ہو گئی ۔ اور صفر سنہ ۲۱۰ ہجری میں یہ سب گرفتار کر لیئے گئے ۔ ابن عائشہ و مالک اِس جماعت کے سرگروہ تھے ۔ اِن لوگوں نے ایک بڑی فہرست طیار کر کے مامون کی خدمت میں بھیجی کہ ۔ اور بہت سے لوگ اِس کوشش میں ہمارے ساتھ ہیں ۔ لیکن مامون نے اِس خیال سے کچھ التفات نہ کی کہ "شاید اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گرفتار کرانا چاہتے ہیں ۔ باغی قید خانے بھیجدیئے گئے مگر وہاں بھی نچلے نہ بیٹھے ۔ ایک دن اندر سے چاروں طرف کے کواڑ بند کر دیئے اور چاہا کہ دیوار توڑ کر باہر نکل جائیں ۔ مامون کو خبر ہوئی تو خود چیلخانہ پہونچکر ابن عائشہ کے سوا سب کو قتل کرا دیا ابن عائشہ ۔ ہاشمی تھا ۔ اِس لیئے یہ امتیاز رکھا گیا کہ بجائے قتل کے اُس کو سولی دی گئی ۔ لیکن اِس کے ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ گیا ۔ کہ اب تک کسی ہاشمی نے پھانسی پانے کی ذلت نہیں اُٹھائی تھی ۔

یہ واقعہ ابراہیم کی گرفتاری کا دیباچہ[1] تھا ۔ خود ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ " مامون جب عراق پہونچا تو لاکھ درہم کے انعام پر اُس نے میری گرفتاری کا اشتہار دیا ۔ میں نے خیال کیا کہ اب بغداد میں جان کی خیر نہیں ۔ گرمی کے دن تھے ۔ اور ٹھیک دوپہر بجی تھی کہ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا ۔ مگر یہ کون بتا سکتا تھا کہ کہاں جاوں ایک گلی میں پہونچا ۔ لیکن اُس کی دوسری طرف راستہ نہ تھا ۔ اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ اُلٹا پھر سکتا تھا ۔ اِسی اضطراب میں ایک مکان نظر پڑا جس کے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا تھا ۔ میں نے بڑھ کر اُس سے التجا کی کہ " ذرا دیر کے لیئے اپنے مکان میں جگہ دے سکتے ہو؟ اُس نے نہایت خوشی سے منظور کیا ۔ اور مجھہ کو ایک کمرہ میں لیجا کر بٹھایا ۔ جو عمدہ اور بیش بہا ساز و سامان سے مزین تھا ۔ لیکن چونکہ خود باہر چلا گیا ۔ اور کواڑ بند کرتا گیا ۔ میری تازہ اُمید پھر یاس سے بدل گئی کہ غلام میرے گرفتار کرانے کو پولیس کے پاس گیا ہے ۔ میں اِسی پیچ و تاب میں تھا کہ اُسی نے کواڑ کھولے ۔ اور ایک مزدور کے ساتھہ مکان میں داخل ہوا ۔ میں نے

[1] ابراہیم ربیع الاول سنہ ۲۱۰ھ میں گرفتار ہوا ۔ ۱۲

مسرت آمیز تعجب سے دیکھا۔ کہ وہ گوشت۔ دیگچی۔ کورے۔ پیالے۔ اور تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لایا ہے۔ اُس نے یہ تمام سامان میرے سامنے حاضر کئے۔ اور کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی کہ "میں ذات کا حجام میری جرأت نہیں کہ اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا حضور کی دعوت میں حاضر کروں۔ اس لیے بازار سے سب نئی چیزیں مول لایا ہوں۔ اب حضور جو پسند فرمائیں"

میں نے خود کھانا طیار کیا۔ اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھ کر شراب حاضر کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ "اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک کنارے سے بیٹھ جاؤں۔ اور حضور کی تفریح خاطر کے لئے دور ہی سے دورِ شراب میں شریک ہوں" میں نے اجازت دی۔ شراب کا دور چلتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد وہ ایک سے اُٹھا لیا۔ اور دست بستہ کہا کہ "میرا یہ منصب نہیں کہ حضور سے گانے کے لئے عرض کروں۔ لیکن حضور کا فیاض اخلاق خود میری آرزو کو پورا کر سکتا ہے" میں نے تعجب سے پوچھا کہ تم نے کیوں کر معلوم کیا کہ میں اِس لطیف فن سے واقف ہوں۔ اُس نے کہا "سبحان اللہ کیا حضور چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ کیا حضور کا اسم مبارک ابراہیم نہیں ہے۔ کیا بغداد کے تخت نے حضور کے قدموں سے عزت نہیں حاصل کی۔ مامون الرشید نے کس کے لیے لاکھ درہم کا اشتہار دیا ہے۔

یہ سنکر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ اور دل میں کہا کہ یہ غلام بھی خدا کی عجیب قدرتوں کا ایک نمونہ ہے۔ میں نے ایسے فیاض میزبان کا رنجیدہ کرنا خلاف انسانیت سمجھا اور نئے کے ساتھ حسب حال کچھ اشعار گائے۔ غلام بدمست ہو گیا۔ مزے میں آکر خود بھی گانا شروع کیا۔ اور اِس درد سے گایا کہ در و دیوار بول اُٹھے۔ میں تمام خطرات کو یک لخت بھول گیا۔ اور فرمائش کی کہ کچھ اور گاؤ۔ اُس نے نہایت دلکش آواز میں یہ اشعار گائے۔

لے اِس قصے کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ خود یوسف کاتب نے جو ابراہیم کا خاص ندیم تھا اپنی ایک تصنیف میں جو صرف ابراہیم کے حالات میں لکھا ہے۔ دیکھو مروج الذہب مسعودی خلافت مامون - ۱۲

تعیرنا انہ قلیل عدیدنا	فقلت لہا ان الکرام قلیل
وہ ہم کو عیب لگاتی ہے کہ ہمارا شمار کم ہے	میں نے اُس سے کہا کہ بڑے لوگ کم ہی ہوتے ہیں
وانا لقوم ما نری القتل سبۃ	اذا ما راتہ عامر و سلول
عامر و سلول قتل ہونے کو عیب سمجھتے ہیں	لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے ؎

اِن پراثر شعروں نے میرے ہوش و ہواس بالکل کھو دیئے۔ اور غفلت زدہ ہو کر سو گیا جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ میں نے جیب سے ایک تھیلی نکالی اور غلام کو یہ کہکر دینا چاہا کہ "مہو خدا حافظ۔ سردست یہ حقیر پیشکش قبول کرو۔ خدا نے اگر وہ دن کیا کہ میری بدقسمتی اقبال مندی سے بدل گئی تو میں تمہارے احسانات کا کافی صلہ دے سکوں" غلام نے نہایت رنجیدہ ہو کر کہا "افسوس غریب آدمی آپ لوگوں کی نگاہ میں نہایت حقیر مخلوق ہے مجکو حضور کی ذرہ نوازی سے جو عزت ملی۔ کیا میں اُسکو درہم و دینار کے عیوض بیچ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم یہ الفاظ دوبارہ سننے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر آپ مکرر فرمائیں گے تو میں اپنی حقیر زندگی کو قربان کر دوں گا" میں نے ندامت کے ساتھ اپنا بے موقع عطیہ واپس لیا۔ اور چاہا کہ غلام سے رخصت ہوں۔ لیکن اُس نے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ "میرے آقا آپ یہاں زیادہ امن و آرام کے ساتھ رہ سکیں گے۔ کچھ دنوں اور صبر کیجئے۔ یہ فتنہ فرو ہو لے تو حضور کو اختیار ہے" میں چند روز اور اُس کے مکان پر مقیم رہا لیکن اس خیال سے کہ میرا میزبان میرے مصارف کی وجہہ سے گرانبار ہوا جاتا ہے چپکے سے نکل کھڑا ہوا اور اخفائے حال کیلئے زنانہ لباس پہن لیا۔ تاہم راہ میں ایک فوجی سوار نے مجکو پہچان لیا اور چلا کر لپٹ گیا کہ "لینا مامون کا اشتہاری جانے نہ پائے" میں نے پوری قوت سے اُسکو پرے دھکیل دیا۔ وہ ایک گڈھے میں جا پڑا۔ اور بازار کے آدمی شور و غل سنکر ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ میں فرصت پاکر بھاگتا ہوا اُس پار جا پہونچا۔ اور ایک عورت سے جو اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی تھی۔ درخواست کی کہ "میری جان بچالے۔ اُس نے نہایت خوشی سے میرا استقبال کیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ نیک دل عورت اُسی سوار کی جورو نکلی جس نے میرا پردہ فاش کرنا چاہا تھا۔ ذرا دیر کے بعد وہ بیر حسم سوار آپہونچا۔ مکان میں گھسنے کے

ساتھ اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی - اور بیوی کو الگ لیجاکر ساری داستان سنائی تاہم اُس فیاض عورت نے مجھ کو آکر تسکین دی کہ "جب تک میں ہوں - آپ کو کچھ ضرر نہ پہونچنے گا" میں تین دن تک اُس کا مہمان رہا - لیکن چونکہ شوہر کی جانب سے اُسکو اطمینان نہ تھا - چوتھے دن مجھ سے کہا کہ "افسوس میں آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتی" مجبوراً وہاں سے بھی نکلنا پڑا - اِس اضطراب میں مجکو اپنی ایک کنیز خاص یاد آئی - میں سیدھا اُس کے مکان پر گیا - مجکو دیکھ کر باہر نکل آئی - اور روتی ہوئی آواز اور ریائی افسوں سے میرا استقبال کیا - تھوڑی دیر تک غمخواری کی باتیں کرتی رہی پھر باہر چلی گئی - میں نے بغیر کسی تردد کے خیال کیا کہ دعوت کے اہتمام میں جاتی ہے - لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو تحفہ وہ میرے لئے بازار سے لائی - وہ پولیس کے خونخوار سپاہی تھے - میں اُس وقت تک زنانہ لباس میں تھا اور اسی ہئیت میں گرفتار ہو کے مامون کے دربار میں حاضر کیا گیا - سامنے پہونچا تو دربار کے قاعدے کے موافق سلام کیا - مامون نے کہا "خدا تیرا بُرا کرے" میں نے کہا "امیر المومنین ذرا ٹھہر جا - میں بے شبہ سزا کا مستحق ہوں - لیکن تقوے عفو کا باعث ہے میرا گناہ ہر گناہ سے بڑھ کر ہے - لیکن تمام فیاضیاں تیرے رتبہ سے فروتر ہیں - اگر تو مجھکو سزا دے تو تجھکو حق ہے - اور اگر بخشدے تو نوازش ہے پھر میں نے یہ اشعار پڑھے -

ذنبی الیک عظیم ؎ وانت اعظم منہ
میرا گناہ بڑا ہے ؎ لیکن تو اُس سے بالاتر ہے

فخذ بحقک اولا ؎ فاصفح بحلمک عنہ
یا اپنا حق لے ؎ یا اپنے حلم کی وجہ سے درگذر

ان لم اکن فی فعالی ؎ من الکرام فکنہ
اگر میرے کام شریفانہ نہیں ہیں ؎ تو آخر تیرے تو ہونے چاہئیں

میرے عاجزانہ فقرے اور پر تاثیر اشعار مامون کے دل پر قبضہ پاتے جاتے تھے محبت سے میری طرف نگاہ کی - میں نے چند اور شعر دردناک لہجہ میں پڑھے - اُسکا دل بھر آیا

اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہوا کہ "کیا رائے ہے" سب نے متفق اللفظ کہا "قتل" مگر احمد بن ابی خالد وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت کی اور کہا کہ تاریخ میں ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا لیکن اے امیرالمومنین اگر تو بخشدے تو ہم تیری فیاضی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے[1] مامون نے سر جھکا لیا اور شعر پڑھا۔

قومی ھم قتلوا امیم اخی	فاذا رمیتہم یصیبنی سہمی
میرے بھائی امیم کو میری قوم نے قتل کیا	میں اگر ان پر تیر چلاؤں تو مجھ ہی کو لگے گا

میں نے دفعتاً چہرے سے نقاب الٹ دی اور چلا اٹھا کہ "اللہ اکبر۔ خدا کی قسم امیرالمومنین نے بخشدیا" مامون سجدہ میں گرا۔ اور دیر تک سربسجدہ رہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ "چچا جان آپ جانتے ہیں۔ میں نے کیوں سجدہ کیا" میں نے عرض کیا کہ "شاید میری اطاعت پر" مامون نے کہا "نہیں بلکہ اس بات پر کہ خدا نے مجکو عفو کی توفیق دی" مامون نے پھر میری ساری داستان سنی۔ اور غلام۔ عورت۔ کنیز۔ کو طلب کر کے غلام کا ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیا۔ عورت کو بھی انعام عطا کیا۔ لیکن کنیز کو اپنی توقع کے خلاف خیر خواہی کا کچھ صلہ نہ ملا۔ بلکہ الٹی سزا پائی[2]۔

مصر و اسکندریہ کی بغاوتیں سنہ ۲۱۰ ہجری

سنہ ۲۰۶ھ میں عبید اللہ سری مصر کا عامل مقرر ہوا تھا۔ اگرچہ نہایت رعب داب اور حسن انتظام کے ساتھ حکومت کی مگر امید سے زیادہ کامیابی نے خود سری کا خیال پیدا کر دیا طاہر کا نامور فرزند عبداللہ اس کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ مصر جب ایک منزل رہ گیا تو اس نے

[1] ابن واضح کاتب عباسی کی تاریخ میں اس فقرہ کو کسی قدر تغیر کے ساتھ مامون ہی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ کسی شخص نے ابراہیم کی شفاعت نہیں کی۔

[2] دیکھو ثمار الاوراق برحاشیہ مستطرف صفحہ ۱۲۳ کامل ابن الاثیر۔ اغانی۔ ابن خلدون وغیرہ میں ابراہیم کی گرفتاری کے حالات مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۲

ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ کہ پڑاؤ کے لئے کوئی محفوظ مقام معین کر رکھے
علیداللہ سری نے یہ خبر پاکر دفعتاً سردار پر چھاپہ مارا لیکن اُس نے نہایت استقلال سے مقابلہ
کیا اور ایک قاصد دوڑا دیا کہ عبداللہ کو جاکر خبر کرے۔ عبداللہ عین وقت پر پہونچا۔ علیداللہ ایسا
نادان نہ تھا کہ اب بھی جنگ قائم رکھتا۔ سیدھا مصر کو واپس گیا۔ اور شہر پناہ کے دروازے
بند کرا دیئے۔ عبداللہ نے شہر کا محاصرہ کیا۔ کچھ بہت دن نہیں گذرنے پائے تھے کہ علیداللہ
نے انجام کار پر غور کرکے سپر ڈالدی اور عبداللہ کی خدمت میں ایک گرانبہا تحفہ جس کو رشوت کہنا زیادہ
بجا ہے ارسال کیا۔ یہ بیش قیمت تحفہ جس میں ہزار لونڈی غلام اور ہر ایک کے ہاتھ میں
ہزار ہزار اشرفیاں تھیں گو قصداً رات کے وقت بھیجا گیا۔ لیکن عبداللہ نے صاف انکار کیا
اور لکھ بھیجا کہ "اگر میں دن کو تیرا ہدیہ قبول کرسکتا تو رات کو بھی مجکو انکار نہ ہوتا"۔ خط کے آخیر
میں قرآن مجید کی یہ پُر رعب آیتیں لکھیں "ارجع الیہم فلنأتینہم بجنود لا قبل لہم بہا"
ترجمہ تو اُن کی طرف واپس جا۔ میں ایک ایسا لشکر لے کر اُن پر آتا ہوں جسکا
وہ لوگ سامنا نہیں کرسکتے"۔ اس غضبناک خط نے تلوار سے بڑھ کر کام دیا۔ علیداللہ نے
مجبور ہوکر امان طلب کی۔ مصر سے تو اطمینان ہوا۔ مگر ہنوز اسکندریہ کا مرحلہ باقی تھا۔ علیداللہ کے زمانہ بغاوت
میں اسپین سے دولت بنی اُمیہ کی ایک فوج آئی اور اسکندریہ پر قابض ہوگئی۔ لیکن عبداللہ کی آمد آمد
نے اُس کے حواس کھو دئے اور امن کی طالب ہوکر اسکندریہ سے نکل گئی۔ اب یہ ممالک فتنہ و فساد
سے یک لخت پاک ہوگئے اور ہر طرف امن و امان ہوگیا۔

زریق کی بغاوت۔ اور سیّد بن انس کا مقتول ہونا ۲۱۱ھ ہجری

زریق عربی النسل تھا۔ اور ۲۰۹ھ ہجری آرمینیا و آذربائیجان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ لیکن باغی ہوگیا۔ اور
اپنی حکومت کے کل علاقے دبا لئے۔ سیّد بن انس جو موصل کا لفٹنٹ تھا۔ چند بار اُس سے
معرکہ آرا ہوا۔ مگر فتح نہ حاصل کرسکا۔ ۲۱۱ھ ہجری میں زریق نے ایک فوج کثیر طیار کی

جو کم و بیش چالیس ہزار تھی - ایک بہادر شخص مدت سے زریق کے پاس نوکر تھا - اور لاکھ درہم سالانہ فقط اس بات کے پاتا تھا - کہ اُس نے سید کے قتل کا بیڑا اُٹھایا تھا - قسم کھائی تھی - کہ جب سید کو دیکھہ پائے گا - تنہا اُس کے قتل کی عزت حاصل کرے گا - اب زریق نے جو یہ فوج گراں سید کے مقابلہ پر بھیجی تو یہ بہادر شخص بھی ساتھہ گیا - سید لڑائیوں میں ہمیشہ تنہا حملہ آور ہوتا تھا - اِس معرکہ میں حریف کی فوج گو چالیس ہزار سے کم نہ تھی - مگر اُس نے اپنا طریقہ چھوڑنا پسند نہ کیا - اور تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ آور ہوا - زریق کی فوج سے وہی بہادر شخص نکلا ہر ایک نے جان توڑ کر شجاعت کے جوہر دکھائے اور دونوں کے ایک ساتھہ قتل ہونے نے یہ ثابت کر دیا کہ دونوں برابر کے حریف تھے

مامون محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی - محمد ۲۱۲ھ ہجری میں موصل پہونچا اور فوج شاہی کے علاوہ عرب کے بہت سے قبایل ساتھہ لیے جو ایک مدت سے موصل میں آکر آباد ہو گئے تھے - سید بن انس کا فرزند محمد بھی جو برسوں سے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے بیقرار تھا - اِس فوج کے ہمراہ گیا - زریق محمد کی آمد سنکر خود مقابلے کے لئے بڑھا اور مقام زاب پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں - ایک سخت جنگ کے بعد زریق امن طلب کرنے پر مجبور ہوا - مامون نے اِس فتح نمایاں کے صلح میں زریق کا تمام مال و اسباب محمد کو عنایت کیا مگر اُس نے زریق کی اولاد کو بلا کر سب واپس دے دیا اور کہا کہ "میں اپنی طرف سے تم کو دیتا ہوں" محمد نے آذربائیجان پہونچکر اُن تمام باغیوں کو بھی گرفتار کیا جو زریق کے نائب بنکر اِن اضلاع پر قابض تھے

بابک خرمی کی بغاوت

جاویدان ایک مجوسی تھا جو ایک نئے مذہب کا بانی ہوا - اور نہایت شہرت حاصل کی اُس کے مرنے پر بابک نام ایک شخص نے دعوے کیا کہ "جاویدان کی روح میرے جسم میں آگئی ہے" ۲۰۱ھ ہجری میں اُس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور اسلامی سلطنت کے زوال درپے ہوا - ۲۰۴ھ ہجری میں عیسے (گورنر آذربائیجان و آرمینیہ) اس کے مقابلے پر مامور ہوا - مگر شکست کھائی

سنہ ۲۰۹ ہجری میں احمد ابن کافی نے حملہ کیا۔ مگر بابک کی فوج نے زندہ گرفتار کر لیا۔ سنہ ۲۱۲ ہجری میں محمد جس نے زریق کی پُرزور بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بڑے بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرتا ہوا۔ بابک کی مستقر حکومت تک پہنچ گیا۔

ہشتاد سر کے آگے پہاڑوں کا ایک بڑا وسیع سلسلہ ہے۔ بابک نے یہیں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔ محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا۔ قلب فوج پر ابوسعید اور میمنہ و میسرہ پر سعدی و عباس کو متعین کیا۔ خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے دیکھ بھال رکھے بابک نے پہلے سے کچھ فوج کمینگاہوں میں بٹھا رکھی تھی۔ محمد کی فوج قریباً تین فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی۔ بابک کا صدر مقام بالکل قریب آ گیا تھا۔ کہ دفعتاً اُس کے رسالے کمینگاہوں سے نکل کر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے اُدھر خود بابک بھی ایک جماعت کثیر لے کر بڑھا۔ محمد کا لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آ گیا اور سخت ابتری پڑ گئی۔ ابوسعید و محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھل سکی۔ محمد تنہا رہ گیا۔ اور چونکہ لڑائی کے مرکز سے دور پڑ گیا تھا۔ چاہا کہ کسی طرف نکل جائے اِس ارادے سے چند قدم چلا تھا۔ کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی۔ جس کو بابک کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں۔ محمد فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کر سکا اور اُلٹا پھرا۔ ایک بہادر افسر بھی اُس کے ساتھ تھا۔ دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑ کر مارے گئے۔

مامون الرشید سنہ ۲۱۸ ہجری تک زندہ رہا مگر اُس کی زندگی تک بابک کا فتنہ فرو نہ ہوا۔ معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اُس کے سرداروں نے متعدد پُرخطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا۔

---

[1] بابک کا ظہور سنہ ۲۰۱ھ میں ہوا اور اِس لحاظ سے مناسب تھا کہ یہ عنوان "بابک کی بغاوت" اسی سنہ کے واقعات کے ساتھ لکھا جاتا لیکن چونکہ اُس کی بغاوت کا سلسلہ مامون کی وفات کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوا میں نے اس کو آخر ہی میں لکھنا مناسب خیال کیا۔ ۱۲

فتوحات ملکی [۱]

اگرچہ مامون کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور بغاوتوں میں الجھا رہا تاہم اوس کے وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا۔ صحابہ اور بنی امیہ کی سی عظیم فتوحات تو دولت عباسیہ کی تاریخ میں سرے سے ناپید ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں مامون اپنے نامور اسلاف ہارون الرشید۔ منصور۔ مہدی سے کچھ پیچھے نہیں ہے۔ بنو امیہ کے قبضہ میں صرف تلوار تھی۔ بخلاف اسکے دولت عباسیہ کے ایک ہاتھ میں قلم بھی تھا۔ اس لحاظ سے اگر اس خاندان کی ملکی فتوحات زیادہ وسیع نہوں تو نہ کچھ تعجب ہو سکتا ہے نہ ہم اُسپر کوئی الزام عاید کر سکتے ہیں۔

عباسیوں کو جس چیز نے دنیا کی تاریخ میں زیادہ نامور کر دیا وہ اُن کی قلم کے فتوحات ہیں جس کا اقرار ایشیا یورپ دونوں کو ہے۔ اور جس کی وجہ سے یورپ کی اُستادی کا مُردہ فخر آج بھی مسلمانوں کے دماغ کو مختل رکھتا ہے۔ ۱۹۷ھ میں مامون کی اکثر فوجیں گو بغداد کے محاصرے میں مصروف تھیں۔ تاہم ممالک مشرقیہ میں اُس کی عظمت کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ کابل پر فوجیں بھیجیں۔ والی کابل اسلام لایا اور تاج و تخت نذر بھیجا۔ یہ بھی درخواست کی کہ کابل و قندھار دارالخلافت خراسان کے اضلاع میں داخل کر لیے جائیں۔ اس سے پہلے بھی اسلامی فتوحات کا سیلاب ان کوہستانوں کے بلند مقامات سے گزر گیا تھا لیکن یہ فخر مامون ہی کی قسمت میں تھا کہ اُسکے عہد میں والی کابل اسلام لایا۔ قندھار۔ غزنین۔ وغیرہ سے بت پرستی قریبًا معدوم ہو گئی اور یہ ممالک ہمیشہ کے لیئے عَلَم اسلام کے سایہ میں آ گئے۔ سینکڑوں۔ ہزاروں مسجدیں تعمیر ہو گئیں۔ اور توحید کی خالص آواز سے تمام دشت و جبل گونج اُٹھے۔ سندھ ایک

---

[۱] عمومًا مورخین نے مامون کی فتوحات کو اور خلفار کی فتوحات کی طرح مختلف سنون کے ذیل میں لکھا ہے جس کی وجہ سے نہایت متفرق اور پریشان ہو گئے ہیں۔ صرف علامہ ابن خلدون نے عمومًا ہر خلیفہ کی فتوحات کو ایک جگہ سمیٹ کر لکھا ہے اور میں نے اُسکی تقلید کی ہے ۱۲

مدت سے ممالک اسلامیہ میں داخل تھا۔ منصور عباسی کے زمانہ میں اسکے عامل نے یہاں ایک شہر بھی آباد کرایا تھا۔ جس کا نام **منصورہ** رکھا تھا۔ سندہ کے گورنر ہمیشہ اپنا صدر مقام اسی کو اختیار کرتے رہے۔ مامون کے عہد میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی وہان کا گورنر مقرر ہوا اور ایک مشرقی رئیس پر فتح حاصل کی (فتوح البلدان صفحہ ۴۴۵) فضل بن ہامان نے سندان فتح کیا۔ اور ایک ہاتھی مامون کی خدمت میں بھیجا جو اہل عرب کے لیے ایک نادر تحفہ خیال کیا جاتا تھا۔ فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کیے اور مید ہند پر چڑھائی کی۔ دشمنوں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اور قالی فتح ہوا (افسوس ہی کہ ان مقامات کے اصلی نام ہم معلوم نہ کرسکے۔ اسلیے معرب نام پر اکتفا کی) اسی زمانہ میں ذوالریاستین کشمیر وتبت کی طرف بڑھا۔ بوخان در اور پر قبضہ کرلیا گیا۔ بلاد ترک بھی محفوظ نہ رہے۔ فاراب شاغر۔ اطراز وغیرہ پر علم اسلام نصیب ہوا۔ جیغویہ خزلجی (فرمانروائے ترک) کی اولاد اور حرمین گرفتار ہوئین۔ اور فرغانہ پر سبز پھریرے[2] اڑائے گئے۔ اشروسنہ جو ایک مستقل حکومت ہے۔ کاؤس وہاں کا فرمانروا اسلام لایا جس کی ابتدا اسطرح ہوئی کہ کاؤس کا چھوٹا بیٹا حیدر[3] ایک فوجی افسر سے ناراض ہوا اور اسکو قتل کرادیا۔ یہ افسر

---

[1] اردو کی بعض کم رتبہ تاریخون میں لکھا ہے کہ مامون نے خاص ہندوستان پر بھی حملہ کیا اور متعدد لڑائیون میں راجپوتون سے شکست کھاکر واپس گیا مگر کسی معتمد تاریخ میں اسکا ذکر نہیں ہے فتوح البلدان مین صرف اس قدر لکھا ہے کہ فضل بن ہامان نے سندان کو فتح کیا اور مامون کی خدمت مین ایک ہاتھی بطور یادگار فتح روانہ کیا اس نے سندان مین ایک جامع مسجد بھی بنوائی (دیکھو کتاب مذکورہ صفحہ ۴۴۶) لیکن یہ امر خود مشتبہ ہے کہ سندان کہاں ہے اور اب کس نام سے پکارا جاتا ہے یاقوت حموی نے معقول طریقہ سے ایک مصنف کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا شہر ہے۔ یاقوت نے اسکو سندہ کے حدود کے قریب خیال کیا ہے۔ سندان کہیں ہو مگر راجپوتون سے شکست کھانا شاید نری گڑھت ہے گو ایک ہند مصنف نے اپنی برائے نام تاریخ میں اسکا تذکرہ علانیہ کیا ہے ۱۲

[2] اسوقت تک مامون الرشید کی فوج کا لباس اور پھریرے فاطمیون کیطرح سبز رنگ کے ہوتے تھے ۱۲

[3] غالباً یہ نام اسلام کے بعد کا ہوگا ۱۲

معزز رتبہ کا آدمی تھا اور کاؤس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی اُس کی لڑکی سے کی تھی حیدر نے باپ کے خوف سے شہر چھوڑ دیا۔ اور مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ تھوڑی سی فوج اشروسنہ کی فتح کے لئے کافی ہے۔ مامون نے احمد ابن ابی خالد کو ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔ کاؤس نے یہ خبر سنی تو اپنے بڑے بیٹے کو ترک بادشاہون کے پاس بھیجا کہ اشروسنہ کو اسلام کے غارتگرون سے بچائیں۔ ترکون نے ایک جمعیت اعظم ساتھ کر دی۔ مگر اسلامی فوجون نے اُس کے پہونچنے سے پہلے اشروسنہ کا فیصلہ کر دیا۔ کاؤس بغداد چلا گیا۔ اور اسلام لایا جس کے صلے میں مامون نے اُس کی حکومت قائم رکھی[1]۔ تبت کے رئیسون میں سے بھی ایک والی ملک اسلام لایا۔ وہ ایک بت کی پرستش کیا کرتا تھا جس کی ظاہری صورت سے ایک عجیب اوج و شان کا اظہار ہوتا تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ جس میں نہایت بیش قیمت زمرد و یاقوت لگے تھے۔ ایک تخت سیمین جلوس کے لئے تھا اور اُسپر ہر وقت دیبا کا فرش بچھا رہتا۔ بادشاہ تبت جب اسلام لایا تو بت اور تخت دونون مامون کے پاس بھیج دیئے اور نامہ لکھا کہ "میں فلان ابن فلان حلقہ اسلام میں داخل ہوا اور بت کے تخت کو جو میری گمراہی کا ایک ذریعہ تھا کعبہ پر نذر چڑھانے کے لئے بھیجتا ہون"۔ نصیر بن ابراہیم عجمی سنہ ۲۰۱ھ میں اس تخت کو لے کر مکہ معظمہ پہونچا۔ اور حکم دیا کہ صفا مروہ کی گذرگاہ عام میں رکھا جائے۔ تین دن تک ایک شخص صبح و شام دونون وقت تخت پر کھڑا ہو کر بآواز بلند کہتا تھا کہ فرمانروائے تبت اسلام لایا اور یہ اس کے پہلے معبود کا تخت ہے۔ عامۃً مسلمانون کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُس کو اسلام کی توفیق دی[2]

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۰ میں یہ پوری تفصیل مرقوم ہے۔ ۱۲

[2] یہ تمام حالات اُن فرامین سے اخذ کئے ہیں جو مامون نے اس تخت و تاج کے کعبہ پر چڑھائے جانے کی نسبت لکھے تھے تاج کے ساتھ یہ فرامین بھی کعبہ پر آویزان کئے گئے اور قریباً سنہ ۲۶۳ھ تک بعینہا کعبہ میں محفوظ تھے۔ علامہ ازرقی نے ان فرمانون کو خود دیکھا تھا اور تاریخ مکہ میں ان کی پوری عبارت نقل کی ہے (دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۵۷) ان فرمانون میں کشمیر و بلاد ترک کی فتوحات کا بھی مجمل تذکرہ ہے۔ جیسا کہ میں نے اس موقع پر لکھا ہے افسوس ہے کہ اور کسی مورخ نے یہ واقعات نہیں نقل کئے۔ فتوح البلدان میں صرف اس قدر ہے کہ مامون کے عہد میں بادشاہ کابل اسلام لایا۔ ۱۲

اسی سنہ میں عبداللہ بن خرداز بہ۔ گورنر طبرستان نے دیلم پر چڑہائی کی۔ بڑے بڑے مشہور اضلاع فتح کیے۔ والی دیلم جسکا نام ابولیلی تھا زندہ گرفتار ہوا۔ طبرستان اگرچہ مدت سے ممالک اسلامیہ میں محسوب ہوتا تھا۔ لیکن پہاڑی آبادیان اتبک شہریار و مازیار کے قبضہ حکومت میں تھیں جو مجوسی النسل و مجوسی المذہب تھے۔ عبداللہ ان اضلاع پر بڑھا۔ شہریار و مازویار دونون نے اطاعت قبول کی۔ مازیار مامون کی خدمت میں روانہ کیا گیا کہ فتح کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ ابودلف نے بھی دیلم کے چند مشہور قلعے مثلاً اقلیم۔ بوجج۔ ابلام۔ انداق۔ فتح کیے مامون نے یورپ میں بھی نامور فتوحات کی یادگاریں قائم کین۔ جزیرہ کریٹ کو جو بحر الغرب میں واقع ہے اور جسکا دورہ ۲۶۳ میل سے کم نہیں ہے۔ ابوحفص اندلسی نے (مامون کا ایک فوجی افسر تھا) اس طرح فتح کیا کہ پہلے ایک قلعہ پر قبضہ کیا۔ اور وہیں برسون تک مقیم رہا۔ پھر بتدریج فتوحات حاصل کرتا گیا۔ یہان تک کہ سنہ ۲۱۰ھ میں پورا جزیرہ تسخیر کر لیا گیا[1]

جزیرہ صقلیہ[2] (سسلی) کی فتح سنہ ۲۱۲ھ

یہ فتح مامون کے عہد کی نامور یادگار ہے۔ سنہ ۲۱۲ھ میں میکل شہنشاہ روم نے جس کا نام

---

[1] دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۳۴ سطر ۵ اکثر عربی مورخون نے اس فتح کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ گبن صاحب نے سچ لکھا کہ وہ مسلمان مورخون نے جو پیٹر اور مالٹی کی شہرت سے ناواقف تھے جزیرہ کریٹ کی فتح کو حقیر سمجھا ہے مگر رومی مورخون نے اس سے چشم پوشی نہیں کی۔ عربی تاریخوں میں سے پہلے اس فتح کا تذکرہ صرف فتوح البلدان میں دیکھا ہے اور یہ اجمالی حالات اسی سے نقل کیے ہیں ۱۲ سطر ۵ سسلی کی فتح کا حال علاوہ عربی تاریخون کے میں نے گبن صاحب کی رومن امپایر سے بھی لیا ہے خصوصاً قیصر شاہنشاہ روم کی ناراضی کی وجہ اور اسلامی بیڑہ جہازات کی تفصیل صرف گبن صاحب کے حوالہ پر میں نے لکھی ہے جزیرہ سسلی قریباً دس ہزار میل مربع ہے سات ضلعوں پر منقسم ہے جنکے نام ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

[2] جن شہرون کے نام ہمنے اصل کتاب میں لکھے ہیں وہ معرب نام ہیں ذیل کی تصریح سے اُن کے نام معلوم ہونگے

بلرم
قطانیہ
جرجنت
تہیہ

سینیا
سرقوسہ
کلتانیتا

یہ جزیرہ جب مسلمانونکے ہاتھہ میں آیا تو اُس کی آبادی میں اسلامی نسلیں نہایت کثرت سے پھیل گئیں زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ جب ابن حوقل جو بغداد کا مشہور تاجر تھا اس جزیرہ میں پہونچا تو خاص پلرمو میں ایک تیر کے فاصلے پر دس دس مسجدیں دیکھیں۔ (دیکھو معجم البلدان حالات صقلیہ) اور اب اس جزیرہ میں ایک شخص بھی محمد صلعم کے نام کا ادب کرنے والا نہیں ۱۲

عربی مورخ میخائیل لکھتے ہیں قسطنطین کو سسلی کا گورنر مقرر کیا تھا۔ قسطنطین نے فیمی نام ایک شخص کو امیر البحری کی خدمت دی۔ فیمی ایک مشہور بہادر تھا اُس نے افریقہ کے سواحل پر فتوحات نمایاں حاصل کیں لیکن اِس جرم پر کہ ایک پارسا عورت کو عبادت گاہ سے بھگالایا شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ اُسکی زبان کاٹ ڈالیں۔ فیمی اس وحشیانہ سزا کا متحمل نہوا اور علانیہ بغاوت ظاہرہ کی جزیرہ کے ایک مشہور شہر سرقوستہ پر قبضہ کرلیا اور اپنی قوت کو ترقی دیتا گیا۔ قسطنطین نے سرقوستہ پر حملہ کیا مگر شکست کھائی اور قطانیہ میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ فیمی نے قطانیہ پر چڑہائی کی قسطنطین گرفتار ہوا اور مار ڈالا گیا۔ اب تمام جزیرہ میں فیمی کی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ سرقوستہ کو پایہ تخت قرار دیا۔ اور اضلاع پر عمال و نائب مقرر کرکے بھیجے۔ دشمنوں میں سے کوئی شخص اُس کا حریف مقابل نہ تھا مگر بدقسمتی سے خود اُس کا ایک عزیز جس کا نام بلاطہ تھا مخالف ہوگیا اور اپنے بھائی کی مدد سے سرقوستہ پر حملہ آور ہوا۔ فیمی نے شکست فاش کھائی اور مجبور ہوکر زیادۃ اللہ کو جو مامون کی طرف سے افریقہ کا گورنر تھا خط لکھا کہ "اسلامی فوج اس موقع پر اگر میری آبرو رکھ لے تو اُس کے صلے میں سسلی کا جزیرہ نذر کرتا ہوں" زیادۃ اللہ نے ربیع الاول ۲۱۲ھ میں سو جنگی جہاز جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادے تھے فیمی کی اعانت کو بھیجے۔ فوج کے سپہ سالار اسد بن فرات تھے جو مشہور محدث اور امام مالک کے شاگرد رشید تھے۔ سسلی پہونچکر اسلامی فوج نے جسکی طرف رخ کیا وہ بلاطہ تھا۔ جس نے فیمی کو شکست دیکر سرقوستہ سے نکالدیا تھا۔ دونوں فوجیں نہایت جوش سے ایک دوسری پر حملہ آور ہوئیں فیمی اس معرکہ میں موجود تھا مگر مسلمانوں نے اِس خیال سے اُس کو الگ کردیا کہ "جس فتح میں غیر قوم کا کوئی شخص شریک ہو وہ فخر کی مستحق نہیں" جنگ کا خاتمہ بلاطہ کی شکست پر ہوا۔ اب اسد کی فتوحات کا کوئی سدراہ نہیں رہا۔ جس طرف گذرا فتح و ظفر نے خود آگے بڑھکر اُس کا استقبال کیا۔ اس جزیرہ میں کراث ایک مشہور قلعہ تھا اور چونکہ اسد کے ڈر سے جزیرہ کے رہنے والے اکثر ہر طرف سے آکر وہاں جمع ہوگئے تھے وہ ایک محفوظ مقام بن گیا تھا۔ اسد نے اُس پر حملہ کرنا چاہا مگر قلعہ والوں نے فریب سے یہ ظاہر کیا کہ "ہم خود جزیرہ دینے پر راضی ہیں" اُدہر فیمی نے مخفی طور سے اہل قلعہ کو لکھا کہ مسلمان

قبضہ نہ کرنے پائیں۔ اسد نے جزیہ قبول کیا اور اُن کی یہ شرط بھی منظور کر لی کہ اسلامی فوج قلعہ کی حد سے دور ٹھہرے گی۔ فرصت پا کر اہل قلعہ نے پوری قوت سے جنگ کے سامان بہم پہونچائے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسد نے بڑے جوش سے دشمن کا پیغام سُنا اور دفعتاً تمام جزیرے میں فوجیں پھیلا دین۔ سرقوسہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ عین موقع پر افریقہ سے امدادی لشکر بھی پہونچ گیا اور قریب تھا کہ اِس شہر پر اسلامی پھریرا اڑا یا جائے۔ لیکن بلاطہ کا بھائی میکل۔ ایک فوج کثیر کے ساتھ آپہونچا اور اسلامی فوج خود محاصرے مین آگئی۔ اسد نے حفاظت کے لیے خندق طیار کرائی اور اُس سے کچھ فاصلے پر بہت سے گڑھے کھدوائے اور اُن پر گھانس پھونس بچھوا دی میکل کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا مگر جس قدر آگے بڑھی اپنی ہی لاشون سے گڑھون کو بھرتی گئی۔ یہ مہم تو سر ہوئی۔ لیکن ۲۱۳ھ مین ایک عام وبا پھیلی۔ اور اسلامی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا سپہ سالار اسد بھی بیمار ہوا اور مر گیا۔ رہی سہی فوج کی کمان محمد بن ابی الجواری نے لی۔ اسی اثنار مین قسطنطینہ سے بادشاہ روم کا جنگی جہاز پہونچا مسلمانون نے سسلی سے ہاتھ اٹھایا اور چاہا کہ افریقہ کو واپس چلے جائین لیکن رومی فوجون نے تمام راستے روک لیئے۔ مایوسی نے مسلمانون کو مرنے پر آمادہ کیا اُنھون نے اپنے جہازات خود جلا دیئے اور جانبازی کے ساتھ تمام جزیرہ مین پھیل پڑے۔ بینا کا محاصرہ کیا اور تین دن مین قلعہ چھین لیا۔ جرجنت پر بھی خفیف مقابلے کے بعد قابض ہو گئے۔ قصریانہ کا محاصرہ ہوا۔ اِس معرکہ مین فیمی بھی مسلمانون کے ساتھ تھا قصریانہ والون نے فیمی سے اپنی قدیم اطاعت کا اظہار کیا اور کہا کہ تحت حکومت حضور کا منتظر ہے۔ فیمی اِس فریب مین اگیا اور آخر اُن کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اِسی اثنار مین روم سے ایک بیشمار لشکر پہونچا اور قصریانہ والون کا مددگار ہوا تاہم میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا۔ رومی فوج زیادہ تر برباد ہوئی اور جس قدر رہ گئی وہ قصریانہ مین محصور ہوئی۔ ان متواتر فتوحات نے مسلمانونکے حوصلے اور جوش انتقام دونون کو اعتدال سے زیادہ بڑھا دیا۔ فتوحات کی بجائے غارتگری پر جھکے

فوج کے متعدد ٹکڑے ہوئے اور جس نے جدہر موقع پایا لوٹ مار شروع کی۔ رومیون نے یہ دیکھ کر کہ اُن کی طاقت یکجائی نہیں رہی ہر طرف انپر حملے کئے اور پے در پے شکستین دین ایک لڑائی مین اسلامی فوج کے کم و بیش ہزار سوار و پیادے کام آئے۔ اب رومیون نے چارون طرف سے گھیر لیا۔ اور رسد تک بند کر دی۔ مسلمانون نے چاہا کہ شبخون مار کر نکل جائیں مگر ناکامی ہوئی۔ رومی پہلے خبر پا چکے تھے۔ اور اپنے خیمون کو چھوڑ کر ادہر اودہر پھیل گئے تھے۔ مسلمان انکے پڑاؤ تک پہونچے تو خیمے بالکل خالی پائے واپس آنا چاہا تو رومیون کے حصار مین تھے۔ مجبور ہو کر لڑنا پڑا۔ مگر اکثر قتل ہوئے اور جو بچ رہے وہ بھاگ کر مینا مین محصور ہوئے۔ لیکن اس سختی سے دن گذرے کہ کتا بلی تک مار کر کھا گئے۔

اس مایوسی مین ایک غیبی مدد نے انکو مرنے سے بچا لیا اسپین کے اسلامی جہازات ہمیشہ نئے جزیرون اور نو آبادیوں کی تلاش مین سمندر کے ہر حصہ مین پھرتے رہتے تھے اتفاق سے ایک بیڑا جہازات ادہر آنکلا۔ ساتھ ہی افریقہ سے بھی بہت سے جنگی جہاز مدد کو آگئے۔ ان سب جہازون کا شمار قریبًا تین سو تھا۔ رومیون نے فتح کا خیال چھوڑ دیا اور محاصرہ سے دست بردار ہو گئے۔ مسلمان محاصرہ سے چھوٹے تو انتقام کے جوش مین لبریز تھے شہر بلرم انکے حملون کا پہلا آماجگاہ ہوا۔ اور سنہ ۲۱۶ھ مین بالکل فتح کر لیا گیا۔ سنہ ۲۱۹ھ مین اور اُس کے بعد سسلی کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے۔ مگر چونکہ مامون کی تاریخ زندگی اس سنہ سے پہلے ختم ہو گئی۔ ہم ان فتوحات کا ذکر نہیں کرتے۔

روم[1] پر حملے

یہ حملے اس لحاظ سے زیادہ دلچسپی کے قابل ہین کہ ان مین مامون خود بذات خاص شریک تھا اور سچ یہ ہے کہ اگر ان لڑائیون مین اُس کی دلیری شجاعت کے جوہر ظاہر نہ ہوتے تو وہ

[1] یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی قدیم مورخ روم کے لفظ سے ایشائے کوچک مراد لیتے ہین یہان بھی یہی مقصود ہے جن شہرون کے نام ان فتوحات مین لئے گئے ہین اُنکو ایشائے کوچک کے جغرافیہ مین ڈہونڈہنا چاہیئے۔ ناظرین اگر اس نکتہ سے واقف نہون گے تو اٹلی یا قسطنطنیہ کی خاک چھانتے پھرینگے کیونکہ اب روم کے لفظ سے یہی معنے مراد ہوتے ہین ۱۲۔

مورخین کے قلم سے۔ صرف شاعر یا صاحب القلم کا لقلت پاتا۔ لیکن ان فتوحات کی سند پر عام مورخین مان گئے ہیں کیونکہ وہ تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا۔

جمادی الاولی ۲۱۵ھ میں روم پر حملہ آور ہوا۔ روم کی سرحد کے قریب پہونچا تو بادشاہ روم کے قاصد صلح کی درخواست لے کر آئے اور یہ شرطیں پیش کیں۔

(۱) دارالخلافت سے یہانتک آنے میں جو کچھ صرف ہوا ہے ہم ادا کرینگے

(۲) جس قدر مسلمان ہمارے ملک میں مدتوں سے قید ہیں بغیر کسی عوض کے سب رہا کر دیئے جاینگے

(۳) اسلامی شہروں میں سے جو شہر روم کے اگلے حملوں میں برباد ہوئے ہیں ہم اپنے صرف سے ان کی مرمت کر دینگے۔ ان تین شرطوں میں جو پسند ہو ہم اُس پر راضی ہیں جس کے عوض میں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ دارالخلافت کو واپس جائیں۔" مامون نے دو رکعت نماز پڑھی اور خود دیر تک سوچتا رہا کہ کون پہلو اختیار کرے۔ مگر اُسکی بلند حوصلگی نے یہی رائے دی کہ یہ سب شرطیں وہ فتح سے کم قیمت ہیں۔ اُس نے قاصدوں کو بلا کر کہا وہ پہلی شرط کی نسبت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہوں کہ "تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو" دوسری شرط بھی بے سود ہے۔ کیونکہ جو مسلمان تمہارے ہاں قید ہیں اگر وہ دین کے لیئے لڑنے گئے تھے تو قید ان کے لئے مایۂ فخر ہے۔ اور اگر ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہیں تیسری شرط بھی میں منظور نہیں کر سکتا۔ قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے "ہائی محمد" کہکر پکارا ہوگا میں اُس کی اس دردناک آواز کو روم کے بڑے سے بڑی قلعہ کے عوض میں بھی نہیں بیچ سکتا[1]

بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا روم کی حدود حکومت میں پہونچ گیا۔ قلعہ قرۃ کا محاصرہ کیا اور ۲۶۔ جمادی الاولی کو فتح کے بعد برباد کر دیا۔ قلعہ ماجدۃ کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کی قلعہ سنان لڑکر فتح ہوا۔ اشناس اپنے غلام کو قلعہ سندس پر بھیجا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لایا۔ اسی طرح عجیف و جعفر نے جو مامون کے ممتاز افسروں میں تھے قلعہ سنادیہ فتح کے پھریرے اُڑائے۔

مامون اتنی کامیابیوں کے ساتھ دمشق کو واپس آیا۔ مگر ۲۱۶ھ میں یہ خبر سنکر بادشاہ

---

[1] یہ زائد تفصیل صرف مروج الذہب مسعودی سے لی گئی ہے۔ ۱۲

روم نے طرطوس و مصیصۃ پہونچکر نہایت بیرحمی سے دو ہزار مسلمان قتل کرادیئے بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ پھر روم پر چڑھائی کی۔ خود ہرقلہ کا محاصرہ کیا اور عباس اپنے بیٹے اور ابو اسحٰق معتصم اپنے بھائی سے کہا کہ "تمہارے حوصلوں اور بہادری کے لیئے۔ دشمن کا ملک وسیع جولانگاہ ہے فتوحات کے لیئے جسقدر ملک چاہو تمہاری آنکھون کے سامنے ہے" ابو اسحٰق نے کم و بیش تیس نامور قلعے فتح کیئے۔ جن مین خرونلہ نہایت مشہور اور نامی قلعہ تھا۔ اور بارہ قلعون پہ مشتمل تھا۔ ابو اسحٰق نے اس قلعہ کو بالکل برباد کر دیا۔ اور آگ لگا دی۔ عباس انطیغو۔ قلعہ احرب۔ قلعہ حصین کو فتح کرتا ہوا خود بادشاہ روم پر حملہ آور ہوا۔ اور نہایت سخت پرخطر جنگ کے بعد حریف کو شکست فاش دیکر بے شمار غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔

۲۱۵ھ مین بادشاہ روم نے صلح کی درخواست کی۔ مگر اتنی گستاخی پر کہ خط مین اپنا نام پہلے لکھا تھا۔ مامون غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے پھر تازہ ہو گیئے۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ ممالک محروسہ مین فرامین بھیجے کہ ہر شہر سے اسلام کے حوصلہ مند جہاد پر کمر بستہ ہوں۔ اور روم کی طرف رُخ کرین۔

اس زمانہ مین روم کا سب سے نامی قلعہ لولوۃ۔ تھا۔ جو ہرقلہ کی گزشتہ عظمت کا ہمسر گنا جاتا تھا مامون نے پہلے اُسکا محاصرہ کیا اور جب متواتر حملون کے بعد کچھ کامیابی نہ حاصل ہوئی تو حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے کچھ دور ہٹ کر دو نئے قلعے طیار کیئے جائین۔ غیر ملک مین اس حکم کی فوراً تعمیل ہونے سے ہم اندازہ کر سکتے ہین کہ اسلامی فوج اپنے پاس کیا سر و سامان رکھتی ہوگی۔ ان دونون قلعون مین سے ایک پر جبلۃ اور دوسرے پر ابو اسحٰق معتصم کو متعین کیا اور عام افسری عجیف کو دی۔ خود ایک دوسرے قلعہ کی فتح کرنے کو بڑھا جس کا نام سلغوس تھا۔ عجیف دشمنون کے ہاتھ مین گرفتار ہو گیا۔ اور پورے ایک مہینہ اس عذاب مین گرفتار رہا۔

بادشاہ روم خود قلعہ لولوۃ تک آیا مگر جبلۃ و ابو اسحٰق اپنے قلعون سے نکلکر نہایت دلیری سے مقابل ہوئے۔ اور شاہ روم کے فوجی سامان بالکل لوٹ لیئے۔ لولوۃ والے یہ دیکھ کر کہ خود اُن کا بڑا شہنشاہ اسلامی تلوارون کے سامنے نہ ٹھہر سکا ہمت ہار گئے۔ اور عجیف کو اس درخواست کے ساتھ رہا کر دیا کہ "ہمکو تمہارے صدقے مین امن ملجائے" مامون نے اُن کی درخواست قبول کی۔

اور یادگار فتح کے طور پر وہاں بہت سے مسلمان آباد کرائے۔

حدود روم کے قریب طوانہ جو ایک معمولی قصبہ تھا سنہ ۲۱۸ھ میں مامون نے حکم دیا کہ وہاں ایک شہر بسایا جاوے۔

شہزادہ عباس تعمیر پر مامور ہوا۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر شہر پناہ تیار کی گئی جسمیں چار دروازہ تھے۔ اور ہر دروازہ پر ایک مستحکم قلعہ تھا۔

فرامین صادر ہوئے کہ ہر شہر سے ایک خاص تعداد یہاں آباد ہونے کے لیئے بھیجی جائے[1]۔ جن کی تنخواہیں اس شرح سے مقرر ہوئیں۔ سوار سنو درہم۔ پیادہ چالیس[2] درہم۔

مامون کی وفات ۱۸ رجب سنہ ۲۱۸ھ

اسوقت مامون نے زندگی کے کل ۴۸ مرحلے طے کیئے ہیں۔ مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کی نذر ہو گیا۔ ان جھگڑوں سے سنجات پاکر عنان سلطنت اُس نے خاص اپنے ہاتھ میں لی۔ اور یہی دن تھے کہ وہ اپنے حوصلوں کو پوری آزادی دیتا اور وہ کر دکھاتا جو اسلام کے گزشتہ نامورون نے کر دکھایا تھا۔ بلاد روم کے حملے اُسکی بہادری کی ابتدائی بازیگاہ ہیں۔ تاہم اس میدان میں وہ اپنے اسلاف سے ایک قدم پیچھے نہیں رہے۔ یادگار فتوحات حاصل کرنے پر بھی اب تک وہ انھیں اطراف میں موجود ہے۔ اور شاید اس خواہش میں سرگرم ہے کہ شہنشاہ روم کی قوت کا بالکل استیصال کردے۔ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا وہ قطعی ارادہ کر چکا تھا لیکن زمانے نے کسکی سب آرزوئیں پوری ہونے دی ہیں۔ بہت سے پر فخر خیالات اُس کے دلمیں پھر رہے ہیں مگر افسوس ہے کہ موت نے پیغام سُنا کر سب کو مٹا دیا کہ "اب میری حکومت ہے"۔

ایکدن وہ اپنے بھائی معتصم کے ساتھ نہر بذندون کی سیر کو نکلا۔ پانی نہایت صاف تھا اور چمکتی ہوئی لہرون کی حرکت عجیب دلفریب سمان دکھا رہی تھی۔ مامون و معتصم دونوں ایک کنارے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور پانی میں پاؤں لٹکا دیئے سعد قاری۔ مامون کا خاص قدیم

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مامون کے فتوحات کو ابن خلدون، ابوالفداء، ابن الاثیر سب نے کسیقدر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن ہمارا خاص ماخذ عیون والحدائق ہی جسکے بیان میں زیادہ تفصیل کیساتھ واقعات کا تسلسل اور حسن اتساق ہے گویا دوسروں سے بڑھا ہوا ہے ۱۲

بھی اس موقع پر موجود تھا۔ مامون نے اُسکی طرف مخاطب ہو کے کہا "کیون سعد۔ ایسا سرد اور صاف پانی تم نے کبھی دیکھا ہے" (سعد تھوڑا سا پانی پی کر) "حقیقت میں بے نظیر ہے" (مامون) "اس پانی پر غذا کیا ہو" (سعد) حضور خود اس سوال کا جواب عمدہ دے سکتے ہین" (مامون) "آزاذ کی کھجورین" یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ گھوڑون کی ٹاپوں کی آواز سُنائی دی دریافت سے معلوم ہوا کہ ڈاک ہے۔ اس حُسن اتفاق پر سب کو حیرت ہوئی۔ کہ سرکاری کاغذات کے علاوہ مامون کی فرمایش بھی ڈاک کے ساتھ تھی۔ سب نے بڑے شوق سے کھایا اور نہر کا سرد پانی نوش جان کیا۔ لیکن اُٹھے تو حرارت محسوس ہوئی۔ قیام گاہ پہونچکر ۱۳ جمادی الثانی مامون کو سخت بخار چڑھا۔ اور اسی عارضہ مین انتقال کیا۔

مرنے سے چند روز پہلے جب زیست سے بالکل مایوسی ہو گئی تو تمام ممالک مین فرامین روانہ کیے۔ جن کا یہ عنوان تھا "امیر المومنین۔ مامون اور اُسکے بھائی ابو اسحق کیطرف سے" شہزادہ عباس بھی اگرچہ اس سفر میں ساتھ تھا اور اگر اسکو ولیعہدی کا دعویٰ ہوتا تو نامور بھی نہ تھا لیکن مامون کی فیاض دلی محبت پدری پر غالب تھی۔ اُسنے اپنے نامور فرزند کو چھوڑکر اپنے بھائی ابو اسحق کو انتخاب کیا۔ حالانکہ خود ہرون الرشید اپنی زندگی میں اُسکو خلافت کے آیندہ استحقاق سے بالکل محروم کر چکا تھا۔

اس کام سے مامون نے صرف اپنی فیاض دلی نہیں ثابت کی۔ بلکہ یہ انتخاب اُس کے صائب الرائے ہونے کا بھی ایک کافی ثبوت تھا۔ یہی ابو اسحق ہے جو معتصم باللہ کے لقب سے مشہور ہے۔ اور اُسکے عظیم الشان کارنامون کے یاد دلانے کے لیے صرف اسکا نام لینا کافی ہے۔ مامون نے مرنے سے ذرا پہلے تمام افسران فوج۔ علما۔ قضاۃ۔ خاندان شاہی کو جمع کیا۔ اور نہایت مؤثر لفظون میں وصیت کی۔ جس کا مختصر مضمون یہ ہے "مجکو اپنے گناہوں کا اقرار ہے اور بیم و امید دونوں مجھپر حاوی ہو رہے ہیں لیکن جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہون تو امید کا پلہ گران ہو جاتا ہے۔ جب مین مر جاؤں تو مجکو اچھی طرح سے غسل دو۔ اور وضو کراؤ کفن بھی اچھا ہو۔ پھر خدا کی حمد وثنا پڑھ کے مجکو تابوت پہ لٹاؤ اور تدفین میں جہانتک ممکن ہو جلدی کرو۔ جو شخص کبیر السن۔ اور

رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ وہ نماز پڑہائے۔ نماز مین تکبیر پانچ بار کہی جائے۔ قبر مین وہ
شخص اُتارے جو رشتہ مین قریب تر ہو۔ اور مجہ سے بہت محبت رکھتا ہو۔ قبر میں میرا مُنہ
قبلہ کی طرف رہے اور سر اور پاؤن پر سے کفن ہٹا دیا جائے۔ پھر قبر کو برابر کرکے لوگ چلے
آئین۔ اور مجکو میرے اعمال کے ہاتھ مین چھوڑ دین۔ کیونکہ تم سب لوگ ملکر بھی نہ مجہکو کچہ آرام
پہونچا سکتے ہو۔ نہ مجہ سے کوئی تکلیف دفع کرسکتے ہو۔ ہوسکے تو بھلائی سے میرا نام لو۔ ورنہ
چُپ رہو۔ کیونکہ برا کہنے سے تمپر بھی مواخذہ ہوگا۔ مجہپر کوئی شخص چلّا کر نہ روئے۔ شاید
میں بھی اُسکے ساتھ مواخذہ میں آؤن۔

تعریف کے قابل صرف خدا کی ذات ہے جس نے سب کی قسمت مین مرنا لکھدیا۔ اور بقا مین
آپ یگانہ رہا۔ دیکھو مین کس اوج کا تاجدار تھا لیکن حکم الٰہی کے سامنے کچہ زور نہ چل سکا۔ بلکہ
حکومت نے میری آیندہ زندگی اور پُرخطر کردی۔ اے کاش عبداللہ (مامون کا اصلی نام ہے)
نہ پیدا ہوتا۔ اے ابو اسحٰق۔ میرے سامنے آ۔ اور میرے حال سے عبرت پذیر ہو۔ خدا نے
خلافت کا طوق تیری گردن میں ڈالا ہے۔ تجکو اُس کی طرح رہنا چاہیئے۔ جو مواخذۂ الٰہی سے
ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ رعایا کی بھلائی کا جو کام پیش آئے۔ اُس کو سب کامون پر مقدم
رکھنا۔ زبردست عاجزون کو ستانے نہ پائین ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور آشتی سے
پیش آنا۔ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ اُن کی خطاؤن سے اغماض کرنا۔ اور سب کے
روزینے۔ اور تنخواہین۔ برقرار رہین" اُسکے بعد اُس نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھی
تھین کہ غش سا آگیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کلمۂ توحید کی تلقین کی۔ ایک نصرانی حکیم جس کا
نام ابن ماسویہ تھا۔ اس بات پر متعجب ہوا اور حقارت سے کہا۔ کہ "اپنی ہدایت رہنے دو
اسوقت مامون کے نزدیک خدا اور مانی۔ دونون یکسان ہیں۔ مامون اِس آواز سے
دفعتًا چونک پڑا۔ اور اِس قدر غضبناک ہوا کہ اُسکے تمام اعضا تھرانے لگے۔ چہرہ اور
آنکھیں بالکل سُرخ ہوگئین۔ ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑلے اور اِس بدگمانی کی پوری
سزا دے۔ مگر اعضا قابو مین نہ تھے منہ سے کچہ کہنا چاہا۔ زبان نے یاری نہ دی۔ نہایت حسرت
سے آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسی حالت میں خدا نے اُس کی زبان کھولدی۔

وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا اے وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی۔ اُسپر رحم کر۔ جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے" اسی فقرہ پر۔ اُسکے نفس واپسین نے دنیا کو الوداع کہا۔ اور خدا کے سایۂ رحمت میں چلی گئی[1] ع کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے"

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

عباس اور ابو اسحٰق معتصم۔ اُس کا لاشہ طرطوس لے گئے۔ اور خاقان کے مکان مین جو ہارون الرشید کا خادم خاص تھا۔ دفن کیا۔ مورخین اِس بات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مامون جو باپ کا سب سے زیادہ لاڈلا تھا اُس کی قبر ہارون الرشید کے مدفن سے جو طوس مین ہے بُعد المشرقین کا فاصلہ رکھتی ہے۔

مامون کا حُلیہ

رنگ سپید۔ سرخی مایل تھا۔ آنکھین بڑی تھین۔ ڈاڑھی لمبی مگر تپلی تھی پیشانی تنگ اور چہرہ پر ایک تِل تھا۔ موزون اندام۔ اور خوش رو تھا۔

مامون کی اولاد ذکور

محمد اکبر[1]۔ محمد اصغر[2]۔ عباس[3]۔ علی[4]۔ حسن[5]۔ اسمٰعیل[6]۔ فضل[7]۔ موسیٰ[8]۔ ابراہیم[9]۔ یعقوب[10]۔ حسین[11]۔ سلیمان[12]۔ جعفر[13]۔ اسحٰق[14]۔ احمد[15]۔ ہارون[16]۔ عیسیٰ[17] ✤

لہ نزع کے بعض حالات مین نے مروج الذہب مسعودی سے لیے ہیں ۱۲

تمت

المامون کا دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ہماری تاریخ کا پہلا حصہ گو نہایت معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ اُن تمام تاریخوں کا ایسا جامع انتخاب ہے جس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا تاہم وہ **مامون** کے عہد سلطنت کی یک رُخی تصویر ہے۔ جس میں چند معمولی واقعات اور باہمی خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پولٹیکل انتظامات اور قوانین ملکی ایک طرف **مامون** کے سوشل حالات کا خط و خال بھی اُس میں دکھائی نہیں دیتا۔ اسلیئے ضرور ہے کہ اپنے رہنما مورخوں کے نقش قدم کو چھوڑ کر ہم خود دلیل راہ بنیں۔ اور ناظرین کو وہ مرقع دکھائیں۔ جس میں وہ مامون کو جس رنگ میں دیکھنا چاہیں دیکھ سکیں۔ تمام خلفاء و سلاطین کی فہرست میں **مامون** جامعیت کی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ ادب۔ حدیث۔ فقہ۔ ایام العرب شاعری۔ انساب۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ جس فن کی بزم میں جاؤ گے وہ صدر نشین نظر آئے گا۔ اُسکی دلیرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز حصوں میں اپنی نامور اور محسوس یادگاریں چھوڑی ہیں ؁

بہادری کے معرکوں میں اُسکی تیز دستیاں دیکھکر یقین نہیں آسکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہے۔ اُس کے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں۔ کہ سلاطین توکیا۔ فقرا اور درویشوں میں بھی دو ہی چار ایسے فرشتہ خو گزرے ہوں گے۔ تواضع۔ حلم۔ عفو۔ فیاضی۔ دریادلی۔ بلند ہمتی۔ دلیری۔ فرزانگی۔ کوئی ایسی صفت نہین جو قدرت نے اُس سے دریغ رکھی ہو۔ ان سب خوبیون کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار نے بعض ایسی بے اعتدالیان بھی اُس سے سرزد ہو گئی ہیں جن کے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعتاً اُس کی تمام خوبیان آنکھون سے چھپ جاتی ہیں۔ تاہم مجموعی حیثیت سے اسلامی ہیروز (نامور لوگ) ہیں وہ ایک نامور ہیرو ہے۔ اور ظلم ہے۔ اگر ایسے بے نظیر شخص کو بقائے دوام کے دربار مین پیش کرنے کے وقت ہم بھی عام نقیبون کی طرح چند معمولی الفاظ پر اکتفا کر جائین۔

افسوس ہے کہ ملکی نظم و نسق کے متعلق ہماری واقفیت بھی محدود ہے۔ جس کا التزام ہماری قلت نظر پر یا اگر پاس ادب نہو تو قدیم مورخون پر ہوگا۔ جو آنے والی نسلون کے تاریخی مذاق کا اندازہ نہ کرسکے۔ دوسری قسم کے حالات کے لیئے بھی گو مجکو ہزارون ورق الٹنے پڑے ہیں۔ لیکن جو سرمایہ جمع ہو گیا ہے۔ میں اُس کو بہرحال کافی خیال کرتا ہوں۔ اور قدماکا مشکور ہوں۔ کہ جو کچھ ہے انہین کا ہے۔

اگرچہ یہ حضرات ریزہ چینی اور مختلف پریشان اور گمنام۔ موقعون سے پتہ لگانے کی محنت پھر بھی میرے لیئے چھوڑ گئے۔

اس حصہ کے آغاز پر بغداد کا پر اثر نام زیادہ موزون ہوگا جو ایک مدت تک نہ صرف عباسیون کا بلکہ عموماً اسلامی جاہ و جلال کا مرکز رہا ہے۔

مامون اگرچہ ابتدائی زمانہ میں خراسان کا بادشاہ کہلایا۔ اور اسی بنا پر بعض یورپین مورخون نے اُس کی نسبت۔ اس باب میں ہمیشہ غلطی کی ہے۔ لیکن ابتدا در بانہ اور استقلال خلافت۔ دونون حیثیت سے اُس کا دارالخلافہ بغداد کہا جاسکتا ہے

نہ خراسان۔ اسلیئے پہلے مختصر طور پر ہم اِس مشہور شہر کا حال لکھتے ہین۔

بغداد

بغداد[۱] کی جس نے بنیا وڈالی۔ وہ مامون الرشید کا پر دادا ابوجعفر منصور تھا۔ منصور اگرچہ خاندان عباسیہ کا دوسرا ہی خلیفہ تھا اور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ تاہم سلطنت کو وسعت اور استحکام۔ دونون لحاظ سے اب ایک مستقل پائے تخت کی ضرورت تھی منصور نے کوفہ کے نواحی مین ایک عارضی مقام ہاشمیہ اختیار کیا تھا لیکن فرقہ راوندیہ کی بغاوت اور اہل کوفہ کی مشہور بیوفائی نے کوفہ سے اُسکا دل پھیر دیا تھا۔ نہایت جستجو اور کوشش اور بہت سے اہل الرائے کے مشورہ کے بعد اُس نے وہ مختصر آبادی انتخاب کی جو کسی زمانے مین نوشیروان عادل کے انصاف سے منسوب تھی۔ اور اب مختصر ہو ہو اکر بغداد[۲] کے نام سے پکاری جاتی تھی۔

یہ انتخاب ہر لحاظ سے موزون تھا۔ اُسکے دونون طرف نہایت تیار آباد اور زرخیز صوبے تھے۔ **دجلہ** (ٹیگرس) اور فرات کے متصل ہونے کی وجہ سے۔ ہندوستان۔ بصرہ۔ واسط مغرب۔ شام مصر۔ آذربیجان۔ دیار بکر۔ وغیرہ کا مشترک تجارتگاہ ہو سکتا تھا۔ آب و ہوا بھی نہایت معتدل۔ اور قریبًا ہر مزاج کے مناسب تھی۔ پولٹیکل مصلحتون کے خیال سے بھی نہایت مناسب مقام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ تمام ممالک اسلامیہ مین لاجواب تھا نہ تو بالکل عرب کی ناف میں تھا۔ جہان شاہانہ جاہ وحشم اور شخصی حکومت اپنا زور نہین دکھا سکتی نہ اس قدر دور تھا۔ کہ **عرب** کی قوت واثر سے بالکل فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اِن حیثیتون مین اگر اور کوئی اسلامی شہر اُس کا ہمسر ہو سکتا تو صرف دمشق تھا۔ لیکن وہان کی

---

[۱] بغداد کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے مرآت البلدان ناصری سے لکھا ہے کہین کہین دوسری کتابون سے کچھ حالات اضافہ کیئے ہین تو وہان نوٹ مین خاص حوالے دیدئے گئے ہیں۔ ۱۲

[۲] بغداد کی وجہ تسمیہ مین یہ روایت۔ غالبًا زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اُسکے قریب نوشیروان کا ایک باغ تھا۔ جہان بیٹھکر وہ مقدمات فیصل کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ باغ داد یعنے انصاف کا باغ مشہور ہو گیا ۱۲

آب وہوا میں مروانی حکومت کا زہرآلود اثر اب بھی موجود تھا۔ منصور گو بخالت کے وصف میں یکتا مانا جاتا تھا۔ لیکن نئی دارالخلافت کے شوق میں اُس کی ہمت نے غیر معمولی پلٹا لیا۔ قیمت مناسب دیگر راہبوں سے بغداد کی کل زمین مول لی۔ اور فرامین بھیج کر۔ شام۔ موصل۔ کوہستان کوفہ۔ واسطہ۔ سے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صناع بُلائے

۱۴۵ھ میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا۔ اور اُس قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ یعنی زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔" چند ریاضی دان عالم معین کئے کہ عمارتیں اصول ہندسی کے لحاظ سے طیار ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحب رح کو اِس جرم پر کہ وہ منصب قضا کے قبول کرنیکی نسبت منصور کے اصرار چند بار نہایت آزادی سے رد کر چکے تھے[۱]۔ خشت شماری کا ذلیل کام دیا۔ جس کو امام صاحب نے قضا کے پُرخطر کام کے مقابلے میں نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بنیاد نیچے سے پچاس ہاتھ چوڑی رکھی گئی۔ لیکن سطح خاک کے برابر آکر صرف بیس ہاتھ کا عرض کافی سمجھا گیا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک شہر ہے جس کی آبادی بالکل دائرہ کی صورت میں ہے۔ منصور نے خاص ایوان شاہی مرکز کی طرح عین وسط میں تعمیر کرایا جس سے غالبًا یہ اشارہ مقصود تھا کہ حاکمانہ حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ ہر خاص و عام کو یکساں نسبت ہے۔

شہر پناہ کے چار دروازے تھے۔ اور ہر دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک میل کا فاصلہ تھا۔ تعمیرات کے سلسلے میں۔ ایوان خلافت۔ مسجد جامع۔ قصر الذہب۔ قصر الخلد۔ نہایت بلند اور شاندار عمارتیں تھیں۔ لیکن سب کا سرتاج قبۃ الخضرا ایک سبز بلند گنبد تھا جس کا ارتفاع قریبًا ۸۰ گز سے کم نہ تھا۔ نئی آبادی کے بعد بغداد کا نام **مدینۃ السلام** سے بدل دیا گیا۔ جو عام زبانوں پر گو محیط نہ ہوا لیکن وفاتر اور تصنیفات پر عمومًا حاکمانہ عزت و زور کے ساتھ قابض ہو گیا۔

منصور نے گو نہایت کفایت شعاری سے کام لیا۔ حتےٰ کہ ایک افسر پر اس حساب میں

---

[۱] منصور نے امام ابوحنیفہ صاحب کو منصب قضا کے قبول کرنے کے لیے کہا۔ امام صاحب نے فرمایا۔ "میں اس قابل نہیں۔ منصور نے غیظ میں آکر کہا "تم جھوٹ کہتے ہو"۔ امام صاحب نے فرمایا "تو میرا یہ دعوی سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہو سکتا کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے"۔

سے پندرہ درہم باقی نکلے تو قید کی سزا دی تاہم جب مصارف تعمیر کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دفتر خزانہ میں دو کروڑ درہم کی رقم خالی ہو گئی[1]

یہ بغداد جس کا ذکر ہوا منصور کا بغداد تھا۔ لیکن بہت جلد روز افزون ترقی کے ساتھ اس کی اصلی ہیئت بھی بدل گئی۔ منصور کے جانشین **مہدی** نے دارالخلافہ کو دجلہ کی شرقی جانب بدل دیا۔ جس سے شہر کی یہ صورت ہو گئی کہ دجلہ بیچ میں آگیا۔ اور اس کے قدرتی منظر میں ایک عجیب دلفریبی پیدا ہو گئی۔ یہ اسلامی شہر ہر عہد میں حیرت انگیز ترقیاں حاصل کرتا گیا قریبًا پانسو برس تک خلفاء و اعیان سلطنت اور بڑے بڑے دولتمند امرا کے فیاضانہ بے روک حوصلے اس کی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیبانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کیے۔

ہارون الرشید کے وزیر اعظم **جعفر** برمکی نے ایک قصر کی تیاری میں جو صرف کر دیا وہ منصور کی کل فیاضی کے برابر یعنے دو کرور درہم اترا[2]۔ رنگیں مزاج امین الرشید نے بھی دو کروڑ سے زائد کی عمارتیں تیار کرائیں

مامون الرشید کے عہد میں خاص شہر کی مردم شماری دس لاکھ سے زیادہ تھی[3]۔ اثار الدول میں لکھا ہے۔ کہ ایک زمانہ میں تیس ہزار مسجدیں۔ اور اور دس ہزار حمام وہاں موجود تھے۔ گبن صاحب لکھتے ہین کہ شہر بغداد میں اٹھ سو ۸۰۰ طبیبون کو مطب کرنے کی اجازت تھی۔

بغداد کی مشہور عمارتون کا تذکرہ ایک مستقل کتاب میں ہو سکتا ہے۔ جس کے لیئے ناظرین کو ہماسے اس سلسلہ تصنیف کا منتظر رہنا چاہیے جس کا نام عمارات الاسلام ہو گا لیکن **دارالشجرۃ** کے ذکر کے لیئے اس مختصر کتاب کو بھی گبن صاحب کی تاریخ سے کچھ کم حق حاصل نہیں ہے۔ اس لیئے اجمالاً ہم اس کا حال لکھتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب

---

[1] دیکھو نجوم زاہرۃ فی تاریخ مصر والقاہرۃ صفحہ ۳۴۷۔ مصارف تعمیر میں مختلف روایتیں ہیں مگر ہم نے ایک متوسط اور معتمد روایت اختیار کی ہے۔ درہم چار آنہ کا ہوتا ہے اس حساب سے دو کرور درہم کے پچاس لاکھ روپیہ ہوتے۔ ۱۲

[2] کامل ابن الاثیر۔ ذکر تباہی خاندان برمکہ۔ ۱۲

[3] دائرۃ المعارف۔ تذکرہ بغداد۔ ۱۲

عمارت خلیفہ المقتدر باللہ نے بنوائی تھی جو ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ صحن کے ایک وسیع حوض میں سونے کا ایک درخت تھا۔ جس میں سونے چاندی کے اٹھارہ گُندے تھے اور ہر گُندے میں بہت سی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے جواہرات اس خوبی سے مرصع کئے تھے کہ قدرتی پھولوں اور پھلوں کا دہوکا ہوتا تھا۔ نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی پرند تھے اور اس ترکیب سے بنائے تھے کہ ہوا کے چلنے کے وقت سب کے سب اپنے ذاتی نغمات سے خوش الحانی کرتے سنائی دیتے تھے۔ حوض کے دونوں جانب پندرہ مصنوعی سوار تھے جو نہایت قیمتی دیبا و حریر کے وردیاں پہنے۔ مرصع زرین تلواریں لگائے۔ اس طرح حرکت کرتے نظر آتے تھے کہ گویا ہر سوار اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کرنے کے لیئے بڑھ رہا ہے[1]

بغداد میں خلفاء کا ملکی رعب و داب گو دو ہی صدیوں کے بعد جاتا رہا۔ لیکن عام اسلامی عظمت تاتاری سیلاب کے آنے تک قائم رہی۔ آستانہ خلافت پر بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا سجدہ کر جاتے تھے۔ ضعیف سے ضعیف خلیفہ کے سامنے بھی۔ **دیلم - و سلجوق** کا سر جھک جاتا تھا۔ محمود غزنوی نے یمین الدولہ کا پُر فخر خطاب جس سے حاصل کیا تھا وہ بغداد کا ایک مسلوب الاختیارات تخت نشین تھا۔ ہزاروں شعرا۔ مجتہدین۔ اہل فن۔ دور دور دراز ملکوں سے آکر وہیں پیوند خاک ہو گئے۔ **بغداد** کے مقبروں نے جن اسلامی جواہر ولعل کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔ زمانہ سیکڑوں برس کی مدت میں اون کو پیدا کر سکا تھا۔ امام موسیٰ کاظم۔ امام ابو حنیفہ۔ امام احمد حنبل۔ حضرت جنید۔ شیخ شبلی۔ معروف کرخی۔ جن کو ہاتھ سے کھو دینے کا خود زمانہ کو بھی افسوس رہے گا۔ یہین کی قبرستانی آبادی میں سوتے ہیں۔

علمی فیاضی کے لحاظ سے دیکھو۔ تو جب وہ کچھ نہیں رہا تھا۔ اس وقت بھی تیس بڑے بڑے کالج خاص شہر کے مشرقی حصہ میں موجود تھے علامہ ابن جبیر ۵۸۰ھ ہجری میں جب وہاں پہونچے تو ایک ایک کالج کے شاندار ایوانات اور وسیع سلسلہ عمارات دیکھکر

[1] دیکھو معجم البلدان۔ ذکر دار الشجرۃ و گبن صاحب کی رومن امپائر عہد عباسیہ ۱۲

ان کو دہوکا ہوتا تھا کہ دو آب میں ایک مستقل آبادی میں موجود ہوں[1]

انوری نے ایک قصیدہ میں بغداد کی۔ خوشگوار آب وہوا۔ دجلہ کی روانی کشتیوں کی سیر باغوں کی رنگینی کا نہایت دلربا سماں دکھایا ہے۔ اُس کے چند شعر یہ ہیں۔ **اشعار**

خوشا نواحی بغداد جائے فضل وہنر — کہ کس نشان ندہد در جہان چنان کشور

سواد او بمثل چون سپہر مینا رنگ — ہوائے او بصفت چون نسیم جان پرور

کنار دجلہ ز ترکان سیمتن خلخ — میان رجبہ خوبان ماہ رخ کشمر

ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب — بران صفت کہ پراگندہ سپہر اختر

بشبہ باغ شود آسمان بوقت غروب — بشکل چرخ شود بوستان بوقت سحر

بوقت شام ہمی این بان سپار دگل — بگاہ بام ہمی آن باین دہد اختر

شگفتہ نرگس بویا بطرف لالہ ستان — چنانکہ در قدح گوہرین مئے اصفر

نوائے طوطی وبلبل خروس عکہ وسار — ہمی کنند خجل لحنہائے خیناگر۔ ؎

وسعت سلطنت خراج بڑے بڑے اضلاع اقسام آمدنی یعنی خراج عشر زکوٰۃ جزیہ۔ فوج کی تعداد تنخواہیں۔ جنگی جہازات

مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی جو حدود ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خطہ۔ اسپین کے سوا اُس کی حکومت سے آزاد نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم گو خود سر فرمانروا تھا۔ تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آج کل کے حساب سے

[1] سفرنامہ ابن جبیر۔ حالات بغداد ۱۲۰

اکتیس[۳] کرور پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا[۱]۔ مامون کی خلافت نے اس پر بہت کچھ اضافہ کردیا چند مشہور اضلاع اور ہر ایک جداگانہ خراج کا ہم ایک نقشہ درج کرتے ہین۔ اور چونکہ وہ خاص مامون کے سرکاری کاغذات سے طیار کیا گیا ہے۔ غالباً زیادہ تر اعتبار کے قابل ہوگا

ضلع	خراج
سواد	دو کرور اٹھتر لاکھ درہم دو ہزار[۲] سو بجرانی حُلے۔ ایک خاص قسم کی مٹی جو مہر کرنے
"	کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ دو سو چالیس رطل۔
کسکر	ایک کرور سولہ لاکھ درہم۔
دجلہ کے اضلاع	دو کرور آٹھ درہم
حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم
اہواز	پچیس ہزار درہم۔ اور تیس ہزار رطل شکر
فارس	دو کرور ستر لاکھ درہم۔ گلاب تیس ہزار بوتل زیب سیاہ بیس ہزار رطل
کرمان	بیالیس لاکھ درہم۔ یمن کے تھان پانسو۔ کھجور بیس ہزار رطل
مکران	چار لاکھ درہم
سندھ	ایک کرور پندرہ لاکھ درہم۔ عود ہندی ڈیڑھ سو رطل
سیستان	چالیس لاکھ درہم۔ خاص قسم کے کپڑے تین سو تھان۔ فانید بیس رطل
خراسان	دو کرور اسّی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار غلام۔ بیس ہزار تھان
	تیس ہزار رطل ہلیلہ۔ دو ہزار نقرہ چاندی
جرجان	ایک کرور بیس لاکھ درہم۔ ریشم ہزار شقہ۔

[۱] اس تخمین میں مین نے واقعات ذیل پر اعتماد کیا ہے (۱) رشید کے زمانہ مین سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار تھا دیکھو مقدمہ ابن خلدون۔ فصل دوم کی فصل ۱۸ (۲) ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے۔ دیکھو معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۲۶ (۳) دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گبن صاحب وغیرہ نے تصریح کر دی ہے ۱۲

[۲] علامہ ابن خلدون نے اس کاغذ کو خود دیکھا تھا اور اُسکے حوالہ سے یہ تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم کی فصل ۱۲۱۸ [۳] درہم ۴ر کا ہوتا ہے ۱۲

ضلع	خراج
قومس	دس لاکھ درہم۔ پانچ لاکھ نقرہ چاندی
رے	ایک کرور بیس لاکھ درہم۔ شہد بیس ہزار رطل
طبرستان و رویان	ترسیٹھ لاکھ درہم۔ طبرستانی فرش چھ سو[۶۰۰]۔ چادریں دو سو[۲۰۰]
دنہاوند	کپڑے پانسو تھان۔ مندیل تین سو۔ جامات تین سو۔
ہمدان	ایک کرور تیرہ لاکھ درہم۔ رُبّ الرمانیں ہزار رطل۔ شہد بارہ ہزار رطل
بصرہ و کوفہ کے درمیانی اضلاع	ایک کرور سات لاکھ درہم
ماسبذان و دینور	چالیس لاکھ درہم
شہرزور	ساٹھ لاکھ درہم
موصل	دو کرور چالیس لاکھ درہم۔ شہد سپید دو کرور رطل
آذربیجان	چالیس لاکھ درہم
جزیرہ مع اضلاع فرات	تین کرور چالیس لاکھ درہم۔ غلام ایک ہزار۔ شہد بارہ ہزار مشک باز دس۔ چادریں بیس
آرمینیہ	ایک کرور تیس لاکھ درہم۔ فرش محفور بیس۔ زقم[۱] پانسو تیس رطل
"	مسایح سور ماہی دس ہزار رطل۔ صونج دس ہزار رطل۔ خچر دو سو
"	بچھیرے تیس
قنسرین	چار لاکھ دینار۔ زیت ہزار حمل
دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار
اردن	ستانوے ہزار دینار
فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینا۔ زیت تین لاکھ رطل
مصر	انیس لاکھ بیس ہزار دینار۔

[۱] زقم ایک قسم کا پھل ہوتا ہے ۱۲

ضلع	خراج
برقہ	دس لاکھ درہم۔
افریقہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش ایک سو بیس
یمن	تیس لاکھ ستر ہزار دینار۔ متاع یمنی اس کے علاوہ۔
حجاز	تیس لاکھ دینار

یہ صرف خراج کی مد سے وصول ہوتا تھا۔ جزیہ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے اُس سے الگ ہے ہر ایک قسم جو بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی۔ اس کی چار قسمیں تھیں خراج عشر۔ جزیہ۔ زکوۃ۔

مامون نے خراج و زکوۃ و جزیہ کا جس کو آجکل کی زبان میں لگان وٹکس کہہ سکتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں بنا تھا۔ بلکہ اُس سے پہلے عادل و فیاض جانشینیان اسلام کا جو کچھ دستور العمل تھا وہی اُس کے عہد میں بھی بحال رہا اس لیئے ہم ان قوانین کی تفصیل بتانے میں مجبوراً مامون کے ماقبل زمانہ پر نگاہ ڈالین گے۔ اور ہم کو امید ہے۔ کہ ناظرین خارج از بحث کا لقب نہ دیں گے۔ ہان یہ ضرور ہے۔ کہ مذہبی بحثسے ہم کو سروکار نہ ہوگا۔ اور جو کچھ لکھین گے تاریخی پہلو سے لکھیں گے جس طرح یورپین مصنفین ہمیشہ عام واقعات کے تذکرے میں بھی جستہ جستہ مذہب کا نام لیتے ہیں اور شاہان اسلام کے ذاتی افعال مذہب سے جدا نہیں کرسکتے۔ ہم ایسا نہ کرین گے خراج اور عشر زمین سے متعلق ہیں اور دو باقی۔ ایک قسم کے ٹکس ہیں۔ جو مسلمان رعایا اور دوسرے مذہب والون سے وصول کیئے جاتے تھے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مامون اور اُس کے اسلاف عام اصول سلطنت میں آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدین کے طریق عمل کو رہنما سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے کافی وثوق کے ساتھ ہم یہ بات فرض کرسکتے ہیں کہ مامون کے عہد کا قانون لگان وٹکس بھی قریب قریب وہی ہوگا۔ جو کسی زمانہ پیشتر میں بتا رہا ہوگا لیکن ہم کو یہ صاف بتا دینا چاہیئے کہ عشر و خراج و جزیہ مصطلح معنون میں مذہبی الفاظ نہیں ہیں۔ اور اسی لیئے ہم کو اس دہوکہ میں نہ پڑنا چاہتے۔ کہ

فقہ کی کتابوں میں اُن کے متعلق جو تفصیلیں اور قاعدے مذکور ہیں وہ لفظی یا خلفا و سلاطین اسلام کے متفقہ اور مسلمہ عملی قاعدے ہیں بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خراج ایک تمدنی قانون کی صورت پکڑ چکا تھا۔ اور اس وجہ سے جیسا موقع ہوا۔ خراج۔عشر۔جزیہ سب کچھ وصول کیا گیا۔ لیکن یہ دعوے کرنا فضول ہے۔ کہ اُن کے متعلق **شارع** علیہ السلام نے کچھ خاص قاعدے طے کر دیئے تھے۔ عام ملکی قوانین کی طرح یہ باتیں بھی ہر جائز تحت نشین اسلام کی رائے پر چھوڑ دی گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ خلفا و سلاطین کے مختلف عہدوں میں خاص خاص ملکی مصلحتیں ان میں تبدیلیاں پیدا کرتی رہیں۔ اب ہم عام طرح پر خراج و عشر کے متعلق چند قواعد بیان کرتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفا کے عہد میں معمول رہے ہیں اور مامون کی خلافت میں بھی قریب قریب اسی پر عمل درآمد رہا۔

(۱) جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ یا

(۲) جو زمین فوج کو (جسنے اُس حصہ ملک کو فتح کیا ہے) تقسیم کر دیگئی ہو۔ یا

(۳) جس مقام کے باشندے فوجکشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں[۱]۔ ان تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی۔ یعنی اس کی پیداوار سے صرف دسواں حصہ وصول کیا جائیگا۔ اور یہی اُس کا خراج سمجھا جائے گا۔

ان تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ **خراجی** ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین میں پڑتی ڈالدے تو اُس سے کچھ نہیں لیا جائیگا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا۔ جس زمین پر دکانیں بنالی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں۔ اگر کھیتی[۱] کو کوئی آفت پہونچے تو خراج معاف ہو جائے گا

مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں۔ حضرت عمر رضہ کے عہد میں سواد عراق کی بالکل پیمایش ہو چکی تھی۔ اور مختلف شرحوں کی جمع باندہ دی گئی تھی

---

[۱] جامع صغیر کشنز۔۱۲

ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا وہاں کی زمین اُن کو بانٹ دیجائے لیکن حضرت عمرؓ کی فیاض دلی کسی طرح اُن کو فاتحین کی رائے پر مائل نہ ہونے دیتی تھی۔ بالآخر ایک نصّی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کیے جاویں[۱]

مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا تھا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نکرنے پائیں۔ اِس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی۔ تو آپ نے اُس کو پکڑ بلایا۔ اور نہایت سخت سزا دینی چاہی۔ لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرایا[۲]

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جنکو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے۔ قریب قریب یکسان متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین میں امام محمد۔ وسفیان ثوری کی عام تجویز یہی ہے کہ چونکہ تشخیص لگان میں صرف زمین کی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے اس لئے اس قسم کی زمین اگر ذمّی کے قبضہ میں ہو تو اُس سے بھی وہی عشر لیا جاویگا۔ حضرت عمرؓ نے قوم نبط سے عشر ہی لیا تھا۔ امام مالک گو اسبارہ میں کسی قدر ذمیون کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ تاہم اِس حالت میں کہ ذمّی کسی دوسرے شہر یا قصبہ میں عشری زمین خریدے اُن کا فیصلہ بھی وہی ہے جو امام محمد کا ہے۔

خراج کی کوئی معین شرح نہ تھی لیکن یہ اصول عامۃً ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حالت میں نصف آمدنی سے زائد نہ لیا جاوے۔

حضرت عمرؓ نے سواد کے کل اضلاع کی پیمائش کرائی تھی۔ جو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھرا اور ذیل کی شرح سے لگان مقرر کی۔

---

[۱] ازالۃ الخفاء۔ جلد دوم صفحہ ۱۲۸ - ۱۲
[۲] حسن المحاضرۃ۔ جلد اول صفحہ ۹۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ ھ
[۳] فتوح البلدان صفحہ ۷۵ سطر ۹ و ۱۰
[۴] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۳۲

نخلستان[۱]	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	١٠ درہم سال
انگور	//	//
نیشکر	//	٦ درہم
گیہون	//	ایک درہم و ایک صاع غلہ[۲]
جو	//	ایک درہم صاع
روئی	//	٥ درم

مصر کا خراج بحساب فی جریب ایک دینار یعنی پانچ روپیہ مقرر ہوا۔ اور عمرو بن العاص نے جو حضرت عمر رض کی طرف سے مصر کے گورنر تھے یہ عہد لکھدیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جاویگا[۳]۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ شرحیں انتہائی شرحیں ہیں۔ اور خود حضرت عمر رض کے عہد مین اکثر اوقات اُن مین تبدیلیان ہوتی رہین۔

حضرت علی نے اور بھی تخفیف کی۔ تمام اُن علاقون مین جو نہر فرات سے سیراب ہوتے تھے بشرح ذیل لگان مقرر کی تھی اور روئی۔ تل۔ سقائی اور تمام قسم کی بقولات۔ اور ترکاریون کی زمین عموماً خراج سے معاف کردی۔

گیہون کی اول درجہ کی زمین	فی جریب	ڈیڑہ درہم اور صاع غلہ
متوسط درجہ	//	ایک درہم
ادنے درجہ	//	درہم کی دو تہائی

جو۔ کی زمین پر اسی حساب سے گیہون کا نصف تھا[۴]

قریباً اسی شرح کا خراج تمام ممالک اسلامی مین جاری تھا۔ اور مسلمان و ذمی (یعنی دوسرے مذہب والے) دونون پر یکسان اثر رکھتا تھا۔ البتہ سواد کے علاقون مین مہدی عباسی نے لوگون کی درخواست پر نصف کے حساب سے بٹائی کردی تھی۔ لیکن

[۱] اس باب مین فتوح البلدان و ہدایہ کی روائتیں مختلف ہین۔ مین نے ہدایہ کی روایت لی ہے۔

[۲] صاع قریباً۔ پونے چار سیر کا ہوتا ہے ١٢ [۳] فتوح البلدان صفحہ ٢١٥ و ٢١٨ مطبوعہ لیڈن۔ ہالنڈ ١٢

[۴] دیکھو فتوح البلدان از صفحہ ٢٦٦ تا ٢٧١ - ١٢

مامون الرشید نے سنہ ۲۰۴ھ میں یہ شرح گھٹا کر دو خمس کر دی[1]۔

خراج کا ہلکا ہونا کچھہ تو اس وجہ سے تھا کہ اسلام کے جانشینون مین اب تک اسلام کا بے حرص اور فیاضانہ اثر پایا جاتا تھا اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ ابتدائی زمانہ میں **عرب** کے سادہ مزاج فاتح جو اپنے بے روک ہاتھون سے دنیا کا مرقع اُلٹ پلٹ کر رہے تھے ریگستان سے اٹھکر گئے تھے۔ اور جو کچھہ ملجاتا تھا اُن کی قانع طبیعت کے لیئے کافی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے۔ کہ ان میں سے جب ایک ممتاز شخص نے ایک معرکہ میں صرف ہزار درہم پر ایک نہایت دولتمند کافر سے صلح کر لی۔ اور لوگون نے اون سے کہا کہ "تم نے بہت سستا بیچا"۔ تو اُنہون نے نہایت تعجب سے جواب دیا کہ کیا "ہزار سے بھی کوئی زائد عدد ہے"[2]۔ اس پر خلفائے راشدین کے عہد میں یہ عام قاعدہ تھا کہ ایک مسلمان جن شرائط پر کسی قوم سے معاہدہ کرے خلیفہ وقت کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔ فتوحات کی تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ سیکڑون مثالین پاؤ گے۔ کہ فوج اسلام نے ایران۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام کے اضلاع میں نہایت خفیف رقم پر صلح کر لی اور خلیفہٴ وقت کے حکم سے وہی بحال رہی۔ دولت بنی امیہ۔ اور عباسیہ نے کچھہ اضافہ کیا۔ مگر اصل پیداوار کے لحاظ سے دیکھو تو وہ بھی کچھہ نہ تھا۔

زکوة مسلمانون کے ساتھہ خاص تھی۔ اور سونے۔ چاندی۔ اونٹ۔ گائے۔ بکری سب پر جداگانہ شرحیں مقرر تھیں۔ حقیقت میں یہ نہایت سخت ٹکس تھا۔ جسکو اسلام نے خود اپنے اوپر گوارا کر لیا تھا۔

ذمیون پر جزیہ تھا۔ گو وہ ایک نہایت خفیف رقم تھی اور زکوة کے مقابلہ مین تو گویا کچھہ بھی نہ تھی۔ لیکن تعجب ہے کہ دوسری قومون نے مسلمانون کو تعصب کا الزام دینے میں۔ ہمیشہ بڑے زور شور سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ہلکا ٹکس جس کے نام سے یورپین مصنف

---

[1] کامل ابن الاثیر۔ واقعات سنہ ۲۰۴ھ ۱۲ [2] جزیہ کی تحقیق میں کہ وہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس زمانہ سے اس کا رواج ہے اور یہ کہ اسلام میں کس مقصد سے وہ اختیار کیا گیا میرا ایک مستقل رسالہ ہے جو حال طبع ہوا ہے۔ اور سکرٹری مدرستہ العلوم کے پاس درخواست بھیجنے سے مل سکتا ہے۔ نیز آخر میں اس کتاب کے وہ بھی شامل ہے۔ ۱۲

کے دل میں مسلمانون کی طرف سے نہایت ناگوار خیالات دفعتہً جوش مارنے لگتے ہیں۔
زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم یعنی ۱۲ روپیہ سالانہ تھا۔ اور یہ تعداد بڑے دولتمندون کے ساتھ خاص تھی۔ متوسطین پر چھ روپیہ اور عام درجہ کے لوگون پر تین روپیہ سالانہ تھا بشرطیکہ وہ ادا کرنے کے قابل ہون۔ لیکن فرمانروائے وقت کو حسب مصلحت اختیار عام حاصل تھا کہ اس کی شرح گھٹا دے۔ یا بالکل معاف کر دے[1]۔ لڑکے بوڑھے۔ عورتیں مفلوج۔۔ معطل العضو۔ نابینا۔ ہر حالت میں مطلقاً معاف تھے۔

کبھی کبھی بجائے فی کس کے فی گھر جزیہ مقرر ہوتا اور تعداد وہی بشرح سابق رہتی تھی[2] یعنی ایک دینار یا اس سے بھی کم۔ اس خفیف محصول کے عوض میں ذمیون کی جان و مال کی نہایت مستحکم ذمہ داری مسلمانون پر فرض ہو جاتی تھی۔

ان آمدنیون میں سے زکوۃ کی رقم جو صرف مسلمانون سے لیجاتی تھی۔ اسی لئے تھی کہ اس سے محتاج۔ اپاہج۔ نادار مسافر۔ اور اس طرح کے درماندہ لوگون کی اعانت کیجائے۔ زکوۃ میں یہ قید تھی۔ کہ خاص مسلمانون پر صرف ہو۔ لیکن اور کسی قسم کے صدقات میں جو مسلمانون سے لئے جاتے تھے۔ کوئی تخصیص نہ تھی۔ اور غیر مذہب والی رعایا بھی برابر بہرہ مند ہوتی تھی۔ خود حضرت عمر رض نے دمشق کے سفر میں مجذوم عیسائیون کیلئے بیت المال کی اس رقم سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا[3]۔

اور ایک دوسرے موقع پر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ وہ صدقات فقرا اور مساکین کے لئے ہیں" مساکین سے عیسائی و یہودی مراد[4] ہیں باقی خراج۔ عشر۔ جزیہ۔ پبلک کامون۔ یعنی۔ سڑک۔ پل۔ چوکیداری۔ تعلیم وغیرہ کے لئے خاص تھے۔ فوج کا صرف بھی اسی آمدنی سے دیا جاتا تھا۔

---

[1] حضرت عمر رض کے زمانہ میں جرجومتہ اور اُسکے قرب و جوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کر دیا گیا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ اور یہ قبیلہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دئے گئے تھے۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹

[2] حضرت عثمان رض کے زمانہ میں تفلس والون پر اسی شرح سے جزیہ مقرر ہوا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۰۱

[3] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۹ [4] ازالۃ الخفا۔ جلد دوم صفحہ ۷۳۔

مامون الرشید اور عموماً نیک دل بادشاہان اسلام کے عہد میں ٹکس یا محصول جو کچھ کبھی تھا۔ جسکا ذکر ہوا۔ انکم ٹکس۔ انڈا اکڑی ٹکس۔ چنگی۔ سٹرکانہ۔ مدرسانہ۔ چوکیداری اسٹامپ کے نام سے اُس زمانے میں کوئی واقف نہ تھا۔

فوج نظامی یعنی جن کا نام و حلیہ دفتر العسکر میں قلمبند تھا۔ اُس کی تعداد قریباً دو لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ سوار کی تنخواہ پچیس[۲۵] روپیہ اور پیادے کے دس[۱۰] روپے۔ جنرل و کمانڈر کی تنخواہیں بھی کچھ بہت زیادہ نہ تھیں۔ لیکن ایشیائی حکومتون میں عہدہ دارون کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلون اور انعامات پر لگی رہتی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی۔ یا اظہار کارگزاری کے وقت۔ اُن کو ملتے رہتے ہیں۔ اور خصوصاً مامون کی فیاضیون کی تو کچھ حد ہی نہ تھی۔ عبداللہ بن طاہر سردار فوج کو ایک دن پانچ لاکھ درہم انعام دیئے۔ ملکی عہدہ دارون میں بھی صرف وزیر اعظم ذوالریاستین کی تنخواہ بیش قرار تھی یعنی بتیس لاکھ درہم ماہوار۔ اگرچہ اور ہر قسم کے عہدے الگ الگ اور نہایت باقاعدہ اور منضبط تھے لیکن سپہ سالاری۔ فوج جنرل کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ صوبہ کا لفٹنٹ یا قسمت کا گورنر۔ عموماً کمانڈر انچیف اور گورنر فوج ہوتا تھا۔ یحییٰ بن اکثم جو قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھے مامون نے متعدد بار اُن کو فوج کی افسری دی تھی۔ اصل یہ ہے کہ اس وقت سپہ گری مسلمانون کا عام جوہر تھا اور اسی سے کسی شخص کا اہل قلم ہونا۔ اُس کو صاحب العلم ہونے کے ناقابل نہیں کرتا تھا۔

دوسری قسم کی فوج **متطوعہ** تھی جس کو والنیٹر کہنا چاہیئے۔ اس قسم کی فوج وقت پر جس قدر درکار ہو تیار ہو سکتی تھی۔ اور خصوصاً جہاد کی پر زور صدا گونجنے کے وقت تو سارا ملک اُمنڈ آتا تھا۔ فوج کو۔ سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتا تھا۔ اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کے اسلحہ جنگ نہایت افراط سے بروقت موجود رہتے تھے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد سنہ ۱۹۳ھ میں جب خزانۃ السلاح کا جائزہ لیا گیا تو مفصلہ ذیل تعداد کے سازو اسلحہ موجود تھے[۵۱]

[۵۱] دیکھو ثمار الاوراق۔ بر حاشیہ مستطرف۔ جلد اول صفحہ ۲۷۲۔

مطلا و مذہب تلواریں	۱۰ ہزار	شاکریہ و غلاموں کے لئے	۵۰ ہزار
نیزے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	کمانیں	ایک لاکھ
مطلا زرہیں	ایک ہزار	عام زرہیں	ایک ہزار
خود	بیس ہزار	جوشن	بیس ہزار
ڈھالیں	ڈیڑھ لاکھ	مطلا زین	چار ہزار
	عام قسم کے زین	تیس ہزار	

جنگی جہازات کی ابتدا اگرچہ عبد الملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ سے ہوئی تھی۔ اور اسی کے زمانہ میں حسان بن نعمان گورنر افریقہ کے اہتمام سے تونس میں جنگی جہازات اور آلات بحری کی طیاری کا ایک بڑا محکمہ قائم ہوا تھا[1]۔ لیکن مامون کے عہد میں اس کو بہت ترقی ہوئی۔ جزیرہ سسلی کی فتح کے لیئے سو جنگی جہاز مع بہت سے بحری سامان کی جو بھیجے گئے تھے وہ اسی کارخانہ سے طیار ہوئے تھے۔ آتش اندازی کے لیئے چھوٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے جنکو عربی میں حراقہ کہتے ہیں۔ ان سے روغن نفط (گریک فائر) کے شیشے بھر بھر کر مارتے تھے۔ جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے اور خود پانی سے بھی نہیں بجھ سکتے تھے۔

ملک کی آبادی۔ امن و امان۔ مامون کی بیدار مغزی اور جزئیات پر اطلاع۔ عدل و انصاف۔ غیر قوموں کے حقوق

دولت عباسیہ کے امن و انتظام۔ ترقی۔ اور وسعت کے فسانے جو روز ہم سنتے رہتے ہیں۔ سچ پوچھیئے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ عام ناموری دی ہے۔ تجارتیں تمام آزاد تھیں۔ نئے نئے شہر آباد ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک قصبہ بلکہ ایک ایک گاؤں میں چشمے اور نہریں جاری تھیں جو حاکمان اضلاع۔ اور زمیندار و جاگیردار ون کے ذاتی مصارف سے ہمیشہ بنتی رہتی تھیں اور جنگی وجہ سے زراعت کو روزافزون ترقی حاصل تھی

[1] مقدمہ ابن خلدون ذکر۔ قیادۃ الاساطیل

مامون نے سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کیا۔ اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کرکے مناسب انتظامات جاری کیے۔ سنہ ۲۰۲ھ میں جب مرو سے عراق کو روانہ ہوا سرخس۔ طوس۔ ہمدان۔ جرجان۔ نہروان۔ رے۔ اور دوسرے اضلاع میں ہفتوں قیام کیا۔ اور ملک کے اصلی حالات سے واقفیت پیدا کی۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط و الآثار میں لکھا ہے۔ کہ جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم سے کم ایک رات دن ٹھہر تا گیا۔ مقام طا، النمل میں پہونچا تو معمول کے خلاف وہاں قیام نہیں کیا۔ اور آگے بڑھا۔ اس گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی۔ یہ خبر سنکر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ یہ محرومی میری ہی قسمت میں کیوں لکھی تھی۔ مامون اُس کا مہمان ہوا۔ اُس نے اپنی حیثیت کے موافق دعوت کا سامان کیا۔ اور رخصت کے وقت دس تھیلی اشرفیاں ایک ہی سنہ کے سکہ کی نذر میں پیش کیں۔ مامون حیرت میں رہ گیا اور کہا کہ دعوت کیا کم تھی تم نے یہ تکلیف کیوں گوارا کی۔ جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے

بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس لئے ہم لوگوں میں اس کی کچھ قدر نہیں ہے۔ میں نے جس قدر حضور کی خدمت میں حاضر کیا ہے۔ اُس سے بہت زیادہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

اس حکایت سے مامون کے حسن انتظام۔ اور ملک کی مرفہ الحالی دونوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ملک کے ہر حصہ میں۔ معذور۔ محتاج۔ اپاہج۔ بیوہ۔ یتیم۔ سب کے روزینے مقرر تھے جو شاہی خزانے سے وقت معین پر اُن کو ملا کرتے تھے۔ یہ بات سلطنت کے ضروری قوانین میں داخل تھی کہ جو شخص فقر و فاقہ کا شاکی ہو اُس مقام کا حاکم۔ یا اسکو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دے۔

مامون نے خراسان کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی اُس کا خمیازہ مدت تک کھینچنا پڑا تھا۔ اس لئے بغداد میں آکر اُسکا طرز حکومت بالکل بدل گیا۔ اب اُسکو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ ایسا عشق ہو گیا کہ سُنکر تعجب ہوتا ہے۔

سترہ سو[1] عجوزہ عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں۔ اور شہر کا کچا چٹھا اُس کو پہنچاتی تھیں[2]۔ لیکن مامون کے سوا اور کسی کو اُن کے نام ونشان سے اطلاع نہ تھی۔ ہر صیغہ پر جداگانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے[3]۔ اور ملک کا کوئی ضروری واقعہ اُس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے۔ کہ اِس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شخص سے بدگمان ہو جانا اور عوام کی آزادی سے تعرض کرنا۔ مامون اُس سے بالکل بری تھا۔ اُس کی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف چھان ڈالو ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے اُس کی اِس کارروائی پر حرف آسکے۔ بخلاف اِس کے اِس محکمے نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں۔

ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا وہ دردناک آواز سے چلایا کہ "واعمراہ یعنی ہائے عمر رضہ تم کہاں ہو"۔ مامون کو اطلاع ہوئی اُس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمر رضہ کا عدل تجکو یاد آیا۔ اُس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا۔ واللہ خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمر رضہ کی سی رعیت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ پھر اُس کو کچھ انعام دلایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا[4]۔

ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جاوے مامون نے بلا کر پوچھا کتنے بال بچے ہیں۔ اُس نے بڑھا کر تعداد بتائی۔ چونکہ مامون ایک ایک جزئی واقعہ کی خبر رکھتا تھا اُس کا جھوٹ نہ چل سکا۔ دوسری بار اُس نے پھر عرضی لکھی اور جو تعداد تھی سچ سچ بتا دی۔ مامون نے اب عرضی پر لکھدیا کہ اُس کا روزینہ مقرر کر دیا جائے[5]۔

اتوار کے دن ہمیشہ صبح سے ظہر تک دربار عام کرتا تھا جس میں خاص وعام کسی کے لئے کچھ روک نہ تھی اور جہاں پہونچکر ایک کمزور فرد و بشر کو اپنے حقوق میں خاندان شاہی کے ساتھ ہمسری کا دعوی ہوتا تھا۔

ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آکر زبانی یہ شکایت پیش کی کہ ایک

---

[1] آثار الدول قرمانی۔ خلافت مامون [2] ابن خلکان۔ ترجمہ فزارہ نحوی ۱۲
[3] عیون والحدائق صفحہ ۳۷۹ [4] رسالہ حکم وآداب صفحہ ۶۰

ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے۔ مامون نے کہا وکس نے۔ اور وہ کہاں ہے۔ اُس نے اشارہ سے بتایا کہ وہ آپ کے پہلو میں ؛؛ مامون نے دیکھا تو خود اُس کا بیٹا عباس تھا۔ وزیر اعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لیجا کر کھڑا کرے۔ اور دونوں کے اظہار سنے۔ شہزادہ عباس رُک رُک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا۔ لیکن بڑھیا کی آواز بیباکی کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے کہا نہیں جس طرح چاہے آزادی سے کہنے دو۔ سچائی نے اُس کی زبان تیز کر دی ہے۔ اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔ آخیر مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائداد واپس لادی گئی[1]۔

مامون کی آزاد پسندی نے اُس کے عمال کو بھی اصول انصاف میں نہایت آزاد اور بیباک کر دیا تھا۔

ایک بار خود **مامون** پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعوی دائر کیا۔ جس کی جوابدہی کے لئے اسکو دار القضا میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے قالین لاکر بچھایا کہ خلیفہ اُس پر تشریف فرما ہو لیکن قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا کہ یہاں آپ اور مدعی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ بُرا نہ مانا۔ بلکہ اُس کے صلہ میں قاضی القضاۃ کی تنخواہ اضافہ کردی[2]۔

مامون کی فیاضی لایف پر اگر کچھ نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ تو یہ ہو سکتی ہے۔ کہ اس کا رحم و انصاف اعتدال کی حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ اُس نے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ بدزبان شعرا اُس کی ہجوئیں لکھتے تھے۔ مگر خبر نہیں ہوتا تھا خود اُس کے خدام گستاخیاں کرتے تھے۔ لیکن اُس کو مطلقاً پروا نہیں ہوتی تھی **دعبل**[3] نے ایک ہجو میں اُس کی نسبت لکھا۔

واستنقذوك من الحضيض الاوهد		شادوبذكرك بعد طول خموله

یعنی میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل بجھا ہوا تھا شہرت دیدی۔ اور تجکو پستی سے نکال کر

[1] دیکھو واسطۃ السلوک فی احوال الملوک۔ وعقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۲ [2] مستطرف صفحہ ۱۱۰ جلد اول [3]

اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور ہجوگوئی میں مشہور تھا ۱۲

بلندی پر بٹھا دیا" مامون نے یہ ہجو سنی تو صرف یہ کہ وہ دعبل کو ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہیں آتی۔ میں گمنام کس دن تھا۔ پیدا ہوا تو خلافت کی آغوش میں پیدا ہوا اور دودھ پیا تو اُسی کی چھاتیون کا پیا۔[1]

ایک بار مامون کا چچا **ابراہیم** شاکی ہوا کہ دعبل کی بدزبانیان حد سے گذرگئین میری ایسی بُری ہجو لکھی ہے جو کسی طرح درگذر کے قابل نہیں۔ ابراہیم نے اِس ہجو کے کچھ اشعار بھی سُنائے۔ مامون نے کہا "چچا جان۔ اُس نے میری ہجو۔ اِس سے بھی بڑھ کر لکھی ہے۔ اور چونکہ میں نے درگذر کی۔ امید ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کرینگے۔ دعبل کی بیہودہ گوئی سے سارا دربار نالان تھا۔ ابوسعید مخزومی نے چندبار۔ مامون کو بھڑکایا کہ آخر درگذر کہان تک۔ مامون نے کہا" اچھا اگر بدلا ہی لینا ہے تو تم بھی اُس کی ہجو لکھدو" مگر صرف یہ لکھو کہ دعبل لوگون کی ہجو میں جو کچھ کہتا ہے غلط کہتا ہے"

مامون اکثر کہا کرتا تھا کہ مجکو دعفو میں جو مزا آتا ہے۔ اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور نافرمانی کو میرے پاس تحفہ لیکر آئین"

مختلف وقتون میں وزرا۔ خاندان خلافت۔ حکام۔ عمال۔ کی شکایت میں دادخواہون نے جو عرضیان دی ہیں۔ اور مامون نے انپر اپنے خاص لفظوں میں احکام لکھے ہیں۔ انمیں سے چند اِس موقع پر ہم نقل کرتے ہیں۔ عرضیون کی عبارت سے چندان ہم کو غرض نہیں صرف یہ بتا دین گے کہ کس کی نسبت تھی۔ لیکن جو احکام ہیں وہ مامون کے خاص الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔[2]

عرضیان	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی یہ پہچان ہے کہ اپنے سے بڑے کو دباتے اور چھوٹے سے خود دب جائے۔ تم کس میں ہو
ہشام کی نسبت	جس وقت تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تیرا شاکی موجود ہو گا تجکو میرے دربار میں رسائی نہ ہو گی

[1] تاریخ الخلفا سیوطی۔ و ابن خلکان ترجمہ دعبل ۱۲
[2] ان توقیعات کو مصنف عقد الفرید نے توقیعات المامون کے ذیل میں بالفاظہا نقل کیا ہے ۱۲

عرضیان	مامون کی تحریر
ابو عباد کی نسبت	اے ابو عباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے
ابو علیسی کی نسبت جو مامون کا بھائی تھا	"فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم" یعنے جب نفخ صور ہو گا تو نسب جاتے رہین گے
حمید طوسی کی نسبت	اے حمید۔ تقرب درگاہ پر نہ بھولنا۔ حق۔ میں۔ تو۔ اور کمینہ غلام دونون برابر ہین۔
بن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا۔ بے تمیز اور درشت خو ہونا تو مین نے گوارا کرلیا۔ لیکن رعایا پر ظلم کرنا۔ تو نہیں برداشت کرسکتا ہون۔
عمرو بن مسعدہ کی نسبت	اے عمرو اپنی دولت کو عدل سے آباد کر۔ ظلم تو اُسکا ڈھا دینے والا ہے۔

اس موقع پر جب ہم مامون کے عدل و انصاف کی داستان سُنا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے۔ کہ اس کے عہد خلافت کی مسلسل بغاوتوں پر ایک اجمالی مگر دقیقہ بین نگاہ ڈالین کیونکہ عام خیال۔ انصاف۔ اور بغاوت۔ کو ہمعصر نہیں فرض کرسکتا۔ مامون کی تاریخ اس قسم کی ناگزیر معرکہ آرائیون سے مملو ہے۔ لیکن جو کچھ ہو اتفاقی واقعات کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اس خصوص میں اُس کا دامن انصاف ہر ایک قسم کے داغ سے پاک ہے۔
ہارون الرشید کا دربار دو مختلف قوتون یعنے **عرب** و **ایرانی** نسل سے مرکب تھا یہ وراثت اُسکے دونون بیٹے مامون و امین میں آکر منقسم ہو گئی۔ مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا۔ اُس کا وزیر بھی ایک نومسلم مجوسی تھا۔ تقسیم کی رو سے ملک جو صوبے ملے وہ بالکل عجم کے حصے تھے۔ ان باتون کا لازمی اثر تھا کہ گروہ عرب کو مامون کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ ہو امین سے جب معرکے شروع ہوئے تو وہ قطعاً ہمت ہار چکا تھا۔ لیکن **ذوالریاستین** جو اُسکا ندیم اور وزیر تھا۔ ثابت قدم رہا اور اپنے حسن تدبیر سے آخر کامیاب ہوا۔
مامون نے بے شبہ اس کے صلے اعتدال سے کچھ بڑھ کر مراعات کی اور اُس کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ اسی بات پر عرب کا گروہ بگڑ گیا۔ لیکن مامون کو اس وجہ سے

اس واقعہ کی اطلاع نہ ہوسکے کہ ذوالریاستین کے اقتدار نے اصل حالات سے مطلع ہونے کے تمام ناکے بند کردئے تھے۔

سادات جو خلافت کو اپنا ازلی حق سمجھتے تھے ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تمام ملک ہلادیا اس حالت میں اگر کسی سے ہمدردی کی توقع ہوسکتی تھی تو وہ صرف عباسی خاندان تھا۔ لیکن مامون نے حضرت امام **علی رضا** کو ولیعہد بنا کر یہ بات بھی کھودی۔ مدت تک بغاوت کا سلسلہ قایم رہا۔ اور اس وجہ سے طول پکڑتا گیا۔ کہ سادات پر مامون کسی قسم کی سختی نہیں کرسکتا تھا وہ یوں ہی نرم دل اور فیاض طبع تھا۔ اُسپر شیعہ پن کے پرتو نے اور بھی سادات کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ ان باغیوں پر قابو پاتا تھا اور چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن وہ اور بھی شوخ اور تیز ہوتے جاتے تھے۔

اس سلسلہ کے علاوہ اور جو بغاوتیں ہوئیں وہ ایسی ہی عام بغاوتیں ہیں جیسے کہ شخصی حکومتوں میں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ہم کو ایشیا کی کوئی سلطنت ایسی نہیں معلوم ہے جہاں آئے دن ایسے معمولی فتنے نہیں اٹھا کرتے۔ اسکے ساتھ ہمکو یہ بھی خیال کرنا چاہیئے۔ کہ اُس وقت رعایا سے ہتھیار لے لینے کا کوئی قانون نہ تھا۔ اور اس وجہ سے سلطنت اور رعایا کی قوت ایک حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھی۔

ان سب پر اتنا اور مستزاد کرنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے بغاوت کے علم بلند کیے وہ اکثر عرب کی قوم سے تھے جو آجتک اطاعت کے حلقے سے آزاد رہتی آئی ہے۔ اور شاید ہمیشہ ایسی ہی آزاد رہے گی۔ شاید ایک معترض نہایت آسانی سے مامون پر یہ الزام لگائے کہ ذوالریاستین جس نے مامون کی بنیاد حکومت کو گرتے گرتے سنبھال لیا خود مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آخر علاج کیا تھا۔ نہ ذوالریاستین اپنی خودسری سے باز آسکتا تھا۔ نہ اہل عرب اُسکے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔ موقع ایسا آپڑا تھا کہ بقائے خلافت۔ اور ذوالریاستین کا اجتماع ناممکن ہوگیا تھا۔ مامون نے بے شبہ ذوالریاستین کو خلافت کی نذر کردیا۔ اب اگر یہ الزام کی بات ہے تو ہو ہم مامون کو اُس سے نہیں بچاسکتے۔ ہاں اس کا جواب ہمارے پاس بھی نہیں کہ۔

ذوالریاستین کے قاتلوں کو اُس نے کیوں قتل کرا دیا۔ شاید پالیسی کے وسیع قانون مین یہ باتین جائز رکھی گئی ہوں۔

ایک بار مامون نے احمد بن داؤد سے مخاطب ہوکر ایک نہایت پولٹیکل تقریر کی تھی جس کا اِس موقع پر نقل کرنا نہایت موزون ہے۔ اُس نے کہا کہ[۱] بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو باتیں کر گذرتا ہے۔ عوام ہرگز اُس کا انصاف نہیں کر سکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں۔ اُن کے بارے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہوسکتی وہ بے تکلف رائے لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگدلی کی وجہ سے کیا لیکن اُن کو کیا معلوم ہے کہ اُس کے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ بر انداز ہین۔ اب بادشاہ دو مجبوریوں میں گھر جاتا ہے۔ نہ اِس راز کو عوام پر ظاہر کرسکتا ہے نہ اُس وزیر یا نائب سے درگذر کر سکتا ہے۔ مجبوراً وہ کر گذرتا ہے۔ جو ظاہر مین نہ کرنا چاہئیے۔ وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواص بھی اُسکو معذور نہ رکھیں گے لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی کی پروا نہیں کر سکتی[۲] شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد مین بھی پوری قوت کے ساتھ قایم تھا لیکن وہ اِس بدعت کا موجد نہیں ہے۔ اور اگر اُس کی چلتی تو اِس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہو جاتا۔ بنوامیہ۔ اور عباسیہ۔ دونوں نے اپنے طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے جس نے اِس جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اُس نے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے برگزیدہ[۳] شخص کو ولیعہدی کے لیئے انتخاب کیا جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہین رکھتے تھے بلکہ خاندان عباس اُن کے ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا۔ یہی بات تھی کہ اُن کے انتخاب پر آل عباس دفعۃً برہم ہوگئے اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہوگئیں۔ تاہم مامون نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اوسکو کرنا چاہئیے تھا۔

جب اونکو زہر دیدیا گیا۔ اور مامون کو پورا تجربہ ہوگیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس سے خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہین آسکتا تو مجبوراً

---

[۱] دیکھو رسالہ حکم و آداب صفحہ ۱۰۹ [۲] حضرت علی رضا علیہ السلام مراد ہیں ۱۲

اُس نے بھی وہی کیا جو اُس کے اسلاف کرتے آئے تھے تاہم اس بات سے کہ اُس نے اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت بھی رکھتی تھی۔ اپنے بھائی کو منتخب کیا۔ ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے۔ گو مامون کی اولاد خلافت کے ناقابل نہ تھی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُس کا لائق بھائی جو اپنے عہد میں معتصم باللہ کے لقب سے پکارا گیا قابلیت سلطنت کے لحاظ سے حق فایق رکھتا تھا۔

مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے۔ مہذب سے مہذب گورنمنٹ میں بھی اُس سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔ یہود۔ مجوس۔ عیسائی۔ لا مذہب اُس کی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے بسر کرتے تھے۔ خاص دار الخلافت بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے تعمیر ہوئے موجود تھے۔ جن میں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔ دربار میں ہر مذہب و ملت کے علما و فضلا حاضر رہتے تھے۔ اور مامون اُن کے ساتھ نہایت عزت و توقیر سے پیش آتا تھا۔ جبریل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اُس کی اس قدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبریل کی خدمت میں حاضر ہو[1]۔

خراسان میں جو کالج بنوایا تھا اس کا پرنسپل یعنے مہتمم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا جس کا نام یشوع تھا۔ اُس کی بے تعصبی کے ثبوت کے لئے ہم ذیل کی حکایت کافی سمجھتے ہیں۔ جسکی نظیر آج بھی کسی مہذب ملک میں نہیں ملسکتی

عبد المسیح بن اسحق کندی جو ایک عیسائی عالم اور معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا۔

اُس ہاشمی نے عبد المسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا کہ وہ اگر آپ مذہب اسلام قبول کریں تو خوب ہو۔ مجکو افسوس ہے کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے اتبک آپ مائل نہیں ہوئے ہیں" اس خط کے جواب میں عبد المسیح نے جو کچھ لکھا کوئی

[1] دیکھو طبقات الاطبار ترجمہ جبریل بن بختیشوع ۱۲ [2] انسائکلوپیڈیا۔ برٹانیکا۔ ذکر مامون الرشید ۔۱۲

شخص جب تک خود نہ دیکھ لے اسکا اندازہ نہیں کرسکتا۔ اُس برگزیدہ رہنمائے خلق یعنی محمد مصطفےٰ صلعم اور قرآن مجید وصحابہ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سنکر دل کانپ جاتا ہے یہ پورا خط جو ایک رسالہ کی شکل میں ہے۔ بمقام لنڈن مطبع گلبرٹ اور رونگٹن۔ تھوڑے دن ہوئے چھاپا گیا ہے۔ مین نے خود اُسکو دیکھا اور ناظرین کو یقین دلاتا ہون کہ دیکھنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرز جاتا تھا۔ اگر آج عبدالمسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اُس نے پڑھکر صرف یہ کہا کہ "جو مذہب دنیا کے کام کا ہے وہ زردشت کا مذہب ہے۔ اور جو محض آخرت کے لیئے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے۔ لیکن دین و دنیا دونون کے لیئے جو مذہب مفید ہو وہ اسلام ہے"

ان باتون پر بھی مامون کی تاریخ کو ہم بیداغ نہیں کہہ سکتے ہم کو ڈر ہے کہ آگے چلکر

تو افسوس ہے کہ اس پر بھی یورپین مصنفین کو تسکین نہیں ہے۔ اور وہ تاریخی تصنیفات مین بھی ہمیشہ بادشاہان اسلام پر ایسے طریقے سے حملہ کر جاتے ہین جسکی اصلی زد اسلام پر پڑتی ہے۔ ناواقف مورخین ایک طرف مسٹر پامر صاحب جنکی عربیت کا ہمکو بھی اعتراف ہے۔ اور جنکی نظم و نثر عربی و فارسی کا مجموعہ حال مین چھاپا گیا۔ تاریخ ہارون الرشید کے صفحہ ۲۲۴ مین لکھتے ہین۔ کہ "اُسکے بیہدہ درباریون نے یہ بات اُس کے ذہن نشین کردی تھی۔ بلکہ کل پیرو اسلام اسبات کو اس وقت میں اور کچھ مسلمان اب بھی سمجھتے ہین کہ کافر خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جا سکتا"

ہم نہیں جانتے کہ پامر صاحب کو ایسے مجبط اور عام اتہام کی جرأت اپنی عامیانہ تاریخ دانی پر کیونکر ہوئی جس تاریخ پر اُنکو ناز ہے۔ وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ پامر صاحب اگر یہ بات یاد رکھتے تو اچھا ہوتا۔ کہ جب خدا کی دنیا مسلمان فتحمندی کے ہاتھ مین دیدی گئی تھی۔ تو جن لوگون نے ہزارون لاکھون چرچ اور گرجون کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھدیا وہ خلفاء راشدین تھے۔ جو ہر زمانہ مین مسلمانون کے رہنما سے کل مانے گئے ہین کیا عمر بن عبدالعزیز جنھون نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ "ولید نے گرجے کو توڑکر مسجد مین جو اضافہ کرلیا تھا۔ وہ ڈھا دیا جائے اور عیسائیون کو اجازت دیجائے کہ وہان پھر اپنا گرجا بنالین[۱]" عمر ثانی نہیں تسلیم کیئے گیے ہین اور کیا وہ لاکھون کروڑون مسلمانون کے جائز قائم مقام نہ تھے۔ کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد مین

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵

جہان مامون کے مذہب کا ذکر آئے گا ایک خاص مسئلہ میں اُس کا مذہبی جنون دیکھکر شاید ناظرین اُس کی تمام خوبیان دفعتًا بھول جائین۔

ذوقِ علمی۔ رصدخانہ۔ زمین کی پیمایش۔ فنون فلسفیہ کے ترجمے علوم کی اشاعت

اگرچہ خاندانی جھگڑے پرزور بغاوتین۔ روم کی مہمات۔ بار انتظام۔ اتنے کام تھے۔ جو مامون کے روزانہ اوقات۔ اور دل و دماغ کو مصروف رکھتے تھے۔ تاہم اُسکے علمی ذوق پر غالب نہیں آسکتے تھے۔ جب وہ مصر گیا تو ایک شخص نے اسکو مبارکباد دی کہ آج عراق۔ حجاز۔ شام۔ مصر سب آپکے زیرنگین ہیں۔ اور رسول اللہؐ کے ابن عم ہونیکا شرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹

دار الخلافت بغداد میں سیکڑوں ہزارون عالیشان سے گرجے نہیں تعمیر ہوئے۔ جہان نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کیجاتی تھیں۔ ہم پامر صاحب کے ہم خیال مصنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کو شبہ ہو تو دیر الروم۔ دیر اشمونی۔ دیر الثعالب۔ دیر درتا۔ دیر درمالس۔ دیر سمالو۔ دیر غداری۔ دیر العارصیہ۔ دیر الزربقیہ۔ دیر الزندرود کے حالات معجم البلدان میں پڑھین سلہ۔ عضد الدولہ دیلمی کہ دیلمی خاندان کا سرتاج اور خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا۔ اُسکا وزیر اعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی رئیس زادہ تھا۔ اُسی نے عضد الدولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی مین چرچ اور گرجے تعمیر کرائے سلہ

بے شبہ مسلمانون میں ایسے بھی تنگ دل لوگ گذرے ہیں جو دوسرے مذہبون کی آزادی کو صدمہ پہونچاتے تھے لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں۔ اور اُن سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ علی بن سلیمان گورنر مصر نے۔ مصر کے تمام گرجے ڈھا دئیے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسے بن موسیٰ نے جو خاندان عباسی سے تھا اور سنہ ۱۸۱ھ مین مصر کا گورنر مقرر ہوا۔ خاص سرکاری خزانہ سے

سلہ بغداد میں عیسائیون کے اور بہت سے گرجے تھے لیکن ہم نے مشہور اور ممتاز گرجون کے نام لکھے ہیں بعض گرجے خاص خاص تیوہارون کے لیئے مخصوص تھے جہان اوقات معینہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا اور بڑی شان و شوکت سے عیسائی اپنے مراسم مذہبی ادا کرتے تھے ۱۲ سلہ دیکھو روضۃ الصفا۔ حبیب السیر ذکر سلطنت عضد الدولہ ۱۲

اِن سب پر مستزاد ہے۔ مامون نے کہا "ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین حدیث جمع ہوں اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہوا ور کہے کہ ہاں وہ کیا حدیث ہے میں بیان کرنا شروع کروں کہ حماد نے یہ روایت کی" الخ۔ بچپن میں وہ اسلامی علوم کو حد کمال تک حاصل کر چکا تھا۔ اب فلسفہ پر مائل ہوا۔ اور دن رات اِسی تذکرے میں بسر کرتا تھا۔ اِس کے علمی ذوق کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ اُس کی آستینوں پر اُقلیدس کے مقالہ اولے کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ شکل اُس کو نہایت مرغوب تھی۔ اِسی وجہ سے عربی میں پانچویں شکل کو شکل مامونی کہتے ہیں۔ غالباً مامون کے سوا اور کسی بادشاہ اسلام کو یہ فخر نہیں حاصل ہے کہ اُس کے نام سے کوئی علمی اصطلاح قائم ہوئی ہو۔

ہارون الرشید کا قائم کیا ہوا بیت الحکمتہ موجود تھا جسمیں۔ پارسی۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو مترجمین نوکر تھے۔ اور فنون حکمت کے متعلق تصنیف اور ترجمے کرتے رہتے تھے۔ لیکن

(بقیہ صفحہ ۱۲۰) کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرائے۔"

مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں۔ کون گورنمنٹ اُس سے بڑھکر دیسکتی ہے تاریخ ابن خلکان۔ فوات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔ آغاز اسلام سے عبد الملک بن مروان کی سلطنت تک شام و عراق کا دفتر رومی و فارسی زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ و سپید کی مالک تھیں۔ اکبر و جہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے۔ عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کی شہادت ملیگی۔ سینکڑوں عیسائی اور یہودی علما جو عباسیوں کے دربار میں تھے اُن سے خلفا کس بے تکلفی اور یگانگت سے ملتے تھے۔ جبرئیل جو ایک عیسائی فاضل تھا۔ اُسکو ہارون الرشید نے علاوہ بے انتہا جاگیروں اور صلوں کے یہ عزت دی تھی کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنی چاہتا تھا۔ اُسکو پہلے جبرئیل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اُس کا بیٹا بختیشوع جاہ و منزلت کے اس پایہ تک پہونچا کہ لباس و آرائش میں خلیفہ متوکل باللہ کا ہمسر گنا جاتا تھا۔ خلیفہ المعتصم باللہ حکیم سلمویہ کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا۔ اور جب اُس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اُسکا جنازہ

سلہ دیکھو نجوم ظاہرہ فی تاریخ مصر و القاہرہ واقعات ۱۱۱ھ ہجری

سلہ طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ میں جبرئیل اور بختیشوع کے حالات پڑھو۔

اب تک جو سرمایہ جمع ہوا تھا وہ ماموں کے شوق علمی کے لئے کافی نہ تھا۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہے۔ ماموں نے نزدیک جاکر پوچھا "آپ کا اسم مبارک"، تخت نشین نے کہا "ارسطو" ماموں پر خوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ پھر عرض کیا کہ "حضرت دنیا میں کیا چیز اچھی ہے" خیالی ارسطو نے جواب دیا "جسکو عقل اچھا کہے" دوبارہ ماموں نے درخواست کی کہ مجکو کوئی نصیحت ارشاد ہو۔ جواب ملا کہ "توحید اور صحبت نیک ہاتھ سے نہ دینا"۔[1]

---

[1] اس خواب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے ذکر حکمت میں اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حنین کے ترجمے میں مختلف روایتوں کے ساتھ کیا ہے۔ میں نے جو روایت لکھی وہ نامہ دانشوران ناصری سے لکھی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) دار الخلافۃ میں لاکر رکھا جاوے اور اُس کے عزیز بخور و شمع کیساتھ عیسائیوں کے طریقے کے موافق اُس پر نماز پڑہیں خلیفہ معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزرا اور امرا دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا۔ بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ایک دن معتضد اور ثابت بن قرۃ ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر ٹہل رہے تھے۔ کہ دفعتاً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈر گیا۔ معتضد نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ میرا ہاتھ اوپر تھا۔ میں نے یہ گستاخی پسند نہ کی اہل علم کا ہاتھ اوپر چاہیے"۔ ابتدا میں مسلمانوں نے ان ہی قوموں سے علوم و فنون سیکھے اور جب خود استادی کے رتبہ پر پہونچے تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے اُن کو علوم و فنون کی تعلیم دے کر شاگردی کا حق ادا کیا۔ اُن کا باہمی اخلاص اور آپس کی دوستانہ گرمجوشیاں آج بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ علامہ شریف ارتضیٰ جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کے پیشوائے مذہبی ہیں۔ ابو اسحق صابی کا ایسا حسرت انگیز مرثیہ لکھا کہ اگر اُس کا ہم مذہب اور نہایت دلی دوست بھی لکھتا تو اس سے زیادہ درد انگیز اور پُر اثر نہ لکھ سکتا۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ علامہ موصوف جب کبھی ابو اسحاق صابی کے مزار کی طرف گذرتے تھے تو ہمیشہ اُس کی تعظیم کے لئے سواری سے اتر پڑتے تھے اور اُس کی قبر کے سامنے سے پیادہ پا گذرتے تھے۔[2]

ہمکو افسوس ہے کہ اس ضمنی بحث کو ہم نے بہت کچھ سمیٹ کر لکھا تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکھ گئے ناظرین معاف فرمائیں۔ لیکن یہ خیال رکھیں کہ ہماری اس بحث کے مخاطب صرف پامر صاحب نہیں ہیں۔ یورپ میں ان کے اور بھی بہت ہم زبان ہیں۔ اور اسی خیال سے ہم نے اس بحث کو ذرا طول دیدیا۔

[2] دیکھو نامہ دانشوران ناصری۔ تذکرہ ابو اسحق صابی۔ نامہ دانشوران میں اس مرثیے کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ ۱۲

مامون یوں ہی فلسفہ پڑھا ہوا تھا۔ ارسطو کی زیارت سے نے اور بھی آگ پر روغن کا کام دیا۔ اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جسقدر تصانیف مل سکیں۔ دارالخلافہ کو روانہ کی جائیں" یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خطوط۔ قیصر و فغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ قیصر تعمیل ارشاد پر مستعد ہوا۔ مگر روم کے اطراف میں فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا۔ بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانے سے مقفل ہے اور جتنے تاجدار اُسکے بعد تخت نشین ہوئے۔ قفلوں کی تعداد بڑھاتے گئے۔ قسطنطین نے فلسفہ کی تمام کتابیں ہر جگہ سے جمع کر کے اِس مکان میں بند کرا دی تھیں کہ اگر فلسفہ و حکمت کو آزادی ملی تو دین عیسوی کو سخت صدمے اُٹھانے پڑینگے۔

راہب کی ہدایت پر یہ پر خطر خزانہ کھولا گیا۔ تو بہت سی کتابیں محفوظ ملیں۔ لیکن قیصر کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسی فیاضی مذہباً ممنوع تو نہ ہو۔ ارکان دولت نے متفق اللفظ عرض کیا کہ "کچھ مضائقہ نہیں۔ فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو اُن کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کرکے رہے گا" قیصر نے بھی یہی مناسب سمجھا اور پانچ اونٹ لادکر خاص فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس روانہ کیں۔ مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمے پر **یعقوب** بن اسحٰق کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں عموماً بے نظیر مانا جاتا تھا۔ مامون نے خود بھی حجاج بن المطر یوحنا بن البطریق۔ سلما۔ کو جو بیت الحکمۃ کے مہتمم اور افسر تھے۔ اِس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام۔ سیپرس۔ اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کئے کہ جس قدر صرف سے اور جس طرح ممکن ہو فلسفی تصنیفات بہم پہونچائیں۔ اسی زمانہ میں **قسطا** بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا۔ اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہونچائیں۔ مامون کو اُس کا حال معلوم ہوا۔ تو بلا بھیجا اور بیت الحکمۃ میں ترجمے کے کام پر مقرر کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا۔ مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمے کی خدمت دی۔

سلہ یہ تمام تفصیل ہم اپنے رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" میں لکھ چکے ہیں اور اُسکو کسی قدر تغیر کے ساتھ یہاں نقل کر دیا ہے۔ ۱۲

مامون کی التفات اور توجہ دیکھکر تمام دربار میں یہ جوش پھیل گیا۔ محمد و احمد و حسن نے جو مامون کے خاص ندیم۔ اور مہندسہ جیل۔ موسیقی میں استاد وقت مشہور تھے روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنون حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں۔ دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے اور بیش قرار مشاہروں پر ترجمہ کرنے کے لئے نوکر رکھا جبریل بن بختیشوع المتوفی سنہ ۲۱۵ ہجری جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا۔ اُس نے بھی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔

ہارونی و مامونی۔ فیاضیوں نے مال و دولت کے اعتبار سے اُس کو ایک مستقل والی ملک بنا دیا تھا[1]

اس عہد میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے وہ یونانی۔ فارسی۔ کالڈی۔ قبطی۔ شامی۔ زبانوں کی تھیں۔

جن بادشاہوں سے دوستانہ تعلق تھا۔ چونکہ مامون کا میلان طبیعت اسی طرف پاتے تھے۔ اسی مذاق کے تحف و ہدایا بھیجتے تھے۔ ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے

---

[1] علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی تاریخ میں جبریل کی آمدنی و مصارف کا ایک مفصل نقشہ نقل کیا ہے۔ جو جبریل کے مرنے کے بعد اُس کے خزانے میں پایا گیا تھا۔ ہم اس موقع پر صرف آمدنی کی بعض مدات لکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ خاندان عباسی نے کس بے نظیر فیاضی سے اپنے دربار میں اہل کمال جمع کئے تھے۔ اور یہ کہ اُن کی فیاضیوں میں مسلمان اور دوسری قومیں برابر حصہ رکھتی تھیں۔

تفصیل آمدنی: عام صیغہ سے دس ہزار درہم ماہوار۔ خاص صیغہ سے پچاس ہزار درہم ماہوار لباس کے لئے پچاس ہزار درہم ماہوار۔ خوراک کے لئے پانچ ہزار درہم ماہوار۔ روزہ کے آغاز میں پچاس ہزار درہم۔ فطر کے دن پچاس ہزار درہم۔ خلیفہ کی فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم۔ دوا پلانے کے لئے سال میں دو بار پچاس ہزار درہم اس کے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے جو روپے مقرر تھے اُن کی یہ تفصیل ہے۔

زبیدہ خاتون۔ پچاس ہزار درہم سال۔ عباسیہ پچاس ہزار درہم۔ فاطمہ ستر ہزار درہم۔ عیسیٰ بن جعفر پچاس ہزار درہم۔ ابراہیم بن عثمان۔ تیس ہزار درہم۔ یحییٰ بن خالد برمکی۔ چھ لاکھ درہم سال۔ جعفر برمکی۔ بارہ لاکھ درہم فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم فضل بن الربیع پچاس ہزار درہم ۱۲۰

مشہور حکیم دوبان کو اُس کی خدمت میں بھیجا۔ اور خط میں لکھا کہ "جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ دنیا میں اُس سے بڑھ کر مفید۔ اور نامور اور معزز تحفہ نہیں ہو سکتا" اِس حکیم نے کسی طرح معلوم کیا تھا کہ ایوان کسرےٰ میں ایک صندوق مدفون ہے۔ جس میں نوشیرواں کے وزیر کی ایک نہایت بے مثل تصنیف چھپا کر رکھی گئی ہے۔ مامون سے کہکر اُس نے صندوق منگوایا کھولا گیا تو دیبا کے ٹکڑے میں لپٹا ہوا۔ قریباً سو ورق کا ایک رسالہ ملا۔ مامون نے اُس کا ترجمہ سُنا تو نہایت متاثر ہوا۔ اور فضل بن سہل سے مخاطب ہو کر کہا کہ "خدا کی قسم کلام اسکو کہتے ہیں۔ وہ نہیں جو ہم لوگ کیا کرتے ہیں"[۱]

حجاج بن یوسف کوفی۔ قسطا بن لوقا بعلبکی۔ ابوحسان سلما۔ حنین بن اسحاق۔ سہل بن ہارون۔ ابوجعفر یحییٰ ابن عدی۔ محمد بن موسےٰ خوارزمی۔ حسن بن شاکر۔ احمد بن شاکر علی ابن العباس بن احمد جوہری۔ یعقوب کندی۔ یوحنا بن ماسویہ۔ ابن البطریق۔ محمد بن شاکر۔ یحییٰ بن ابی المنصور۔ مامون کے دربار کے مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتم تھے۔ ان مترجموں میں سے اکثر کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ڈھائی ہزار روپے ماہوار تھیں۔ ترجمہ کا کام دولت عباسیہ میں خلیفہ منصور کے عہد سے شروع ہوا۔ اور ایک مدت تک بڑے اہتمام سے جاری رہا یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان۔ اٹلی۔ وسلی۔ واسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعے سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے علمی دنیا میں دولت عباسیہ کی شہرت کی آواز باز گشت آجتک آرہی ہے۔

لیکن بالخصوص مامون الرشید کا دور اس فخر کے تاج کا طرہ ہے مامون کے سوا اور عباسی خلفا مثل ہارون الرشید وامین ومعتصم وغیرہ علوم فلسفیہ سے محض ناواقف یا برائے نام واقف تھے۔ اور اسوجہ سے اُن کے اہتمام و توجہ کا اثر وہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو ایک ماہر فن کا ہو سکتا تھا۔ اِس سے زیادہ یہ کہ خوش قسمتی سے یا مامون کی رتبہ شناسی سے مامونی

[۱] واسطۃ السلوک۔ مطبوعہ ٹونس۔ صفحہ ۴ ۱۵۹۶ء

عہد کے مترجم زباندان ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے۔ یعقوب کندی جو اُس کے دربار کا بڑا مترجم تھا مسلمانوں میں ارسطو کا ہم پلہ تسلیم کیا گیا ہے۔ سلیمان بن حسان نے لکھا ہے کہ "اسلام میں کندی کے سوا اور کوئی شخص فلاسفر کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا وہ طب۔ حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ۔ طبائع اعداد۔ نجوم۔ کا بہت بڑا ماہر تھا[1]"

اِن علوم میں اُس کی مستقل تصنیفیں موجود ہیں۔ علامہ بن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطبا میں اُس کی تصنیفوں کی ایک مفصل فہرست لکھی ہے۔ جس میں دوسو بیاسی ۲۸۲ کتابوں اور رسالوں کے نام ہیں۔ اُن میں سے بعض میں اُس نے یونانی حکما کی غلطیاں ثابت کی ہیں۔ بعض میں حالات جدیدہ کا بیان ہے۔ ایک رسالہ ایک آلہ پر لکھا ہے جس سے تمام اجرام کا بُعد دریافت ہو سکتا ہے۔ ایک اور آلہ کی ترکیب لکھی ہے جس سے تمام معائنات کا بعد معلوم ہو سکے۔ اِس قسم کے اور جدید آلات پر اُس نے رسالے لکھے ہیں۔ علوم فلسفیہ کے ترجمہ میں اِس بات کو بہت بڑا دخل ہے کہ مترجم۔ فن سے مجتہدانہ واقفیت رکھتا ہو۔ اسی بنا پر ابو معشر نے کتاب المذکرات میں لکھا ہے کہ اسلام میں عمدہ مترجم چار شخص گذرے "یعقوب کندی حنین بن اسحق۔ ثابت بن قرۃ۔ عمرو بن الفرخان الطبری۔ یعقوب کندی نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی پیچیدگیاں بھی رفع کر دیں۔ اور اسی وجہ سے اُس کے ترجمے ایک اعتبار سے شرح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یعقوب کندی کی خاص تصنیفیں جو منطق میں ہیں ایک مدت تک درس میں داخل تھیں۔ اور جب تک حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیفیں نہیں شایع ہوئیں انکا رواج تمام ممالک فارس وخراسان وعراق میں قائم رہا۔ یعقوب کے شاگردوں میں سے۔ حسنویہ۔ نفطویہ۔ سلمویہ۔ احمد بن الطیب کو علمی شہرت حاصل ہے احمد بن الطیب علوم فلسفیہ کا بڑا فاضل تھا۔ اُس نے اکثر ارسطو وغیرہ کی تصنیفات کے خلاصے۔ کئے اور شرحیں لکھیں۔

مامون کے دربار کا دوسرا مترجم حنین[2] بن اسحق جبکا نشوونما۔ مامون ہی کے عہد میں ہوا

[1] دیکھو طبقات الاطبا حالات یعقوب کندی۔ میں نے جو کچھ اس حکیم کی نسبت لکھا ہے۔ اسی معتمد کتاب سے لکھا ہے۔ جو اپنے باب میں ایک بے نظیر تصنیف ہے۔ [2] حنین کا مفصل تذکرہ طبقات الاطبا میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے۔ ۱۲

ترجمہ کا نامور ہیرو ہے۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی تھی جو لغات عرب کا پہلا مدون اور فن عروض کا موجد ہے۔ یونانی زبان بلاد روم میں جاکر سیکھی۔ اول اس نے جبریل بختیشوع کی خدمت میں رسائی حاصل کی رفتہ رفتہ دربار خلافت میں پہونچا۔ مامون نے اس کو ترجمے کے کام پر مامور کیا اور زر و مال سے مالامال کر دیا۔ مشاہرہ کے علاوہ صلہ و انعامات کی کوئی حد نہ تھی۔ مشہور یہ ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن حنین نے خود ایک رسالہ میں دینار کی بجائے درہم کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کتاب طبقات الاطباء میں جو سنہ ۶۴۳ ہجری میں تالیف ہوئی لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے ترجمے دیکھے جو اس کے کاتب ارزق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ اور جن پر مامون الرشید کا شاہی طغرا بنا ہوا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ "یہ مترجم کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں۔ کاغذ بھی نہایت گندہ تھا اور ہر صفحہ میں صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھانا چاہتا تھا کیونکہ کتاب کے برابر تول کر اسکو چاندی ملتی تھی" علامہ موصوف ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اس قدر گندہ اور مضبوط کاغذ پر نہ لکھی ہوتیں تو آجتک یہ کتابیں محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حکیم جالینوس کے ذکر میں جالینوس کی ایک سو اکیس کتابوں کے نام اور ان کے مضامین لکھے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ قریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں۔ حنین نے ایک رسالہ میں خود جالینوس کی تصنیفات کی تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ میں نے کن مشکلوں سے یہ کتابیں بہم پہونچائیں۔ اور ان کے ترجمے کئے۔ وہ لکھتا ہے کہ "کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ۔ فلسطین۔ مصر۔ اسکندریہ۔ اور تمام ممالک شام میں پھرا۔ لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا" جالینوس کی کتابوں کے ترجمے اور مترجمین نے بھی کئے مثلاً۔ البطاث۔ ابن کی۔ بطریق۔ ابو سعید عثمان دمشقی۔ موسیٰ بن خالد۔ لیکن حنین کے ترجموں سے ان کو کچھ نسبت نہیں ہے علامہ ابن ابی اصیبعہ نے موسیٰ بن خالد کے ترجمے خود دیکھے ان کا بیان ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ حنین خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطباء میں اس کی خاص تصنیفات کی فہرست تین صفحوں میں نقل کی ہے

جس کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

حنین کا نامور فرزند اسحٰق اور اُس کا بھانجا جیش۔ ان دونوں نے ترجمہ کے کام کو بہت وسعت دی۔ ارسطو کی اکثر فلسفی تصانیف اسحٰق نے ترجمہ کیں۔

قسطا بن لوقا بعلبکی بھی نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ "وہ طب۔ فلسفہ۔ ہندسہ۔ اعداد۔ موسیقی۔ میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ عربیت میں کامل تھا۔" علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ "اُس نے یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور اکثر پہلے ترجموں کی اصلاح کی۔" اس کے علاوہ وہ خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطبا میں اُسکی بہت سی تصنیفات کے نام لکھے ہیں۔

خاص مامون کے عہد میں جس قدر کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ اور اُن پر جو شرح و حواشی لکھے گئے۔ اُن کی فہرست کے لئے ایک مستقل رسالہ درکار ہے[1]

مامون جس قدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوتا گیا۔ اُس کے شوق تحصیل کو اور ترقی ہوتی گئی۔ اور زیادہ تر تحقیق و تجربے پر مائل ہوا۔

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی۔ وہ اسی عہد کے ایک مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی فرمائش سے لکھی۔ یہ تصنیف آج بھی موجود ہے اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ گو علمائے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سینکڑوں نادر کتابیں لکھیں لیکن اصل مسائل میں اُس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے۔

---

[1] تعجب ہے کہ صاحب کشف الظنون نہ صرف مامون الرشید بلکہ خاندان عباسیہ کی مجموعی کوششوں کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ علم حکمت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "یونان کی عمدہ اور معظم تصنیفات عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں اور جس قدر ہوئیں اُن میں اکثر غلطیاں رہ گئیں"

میں اس موقع پر صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکماء۔ و طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ غور سے پڑھنا چاہئے تھا۔ میں کئی سو تصنیفات کے ترجموں کا نشان دے سکتا ہوں ۱۲۔

یونانی کتب حکمت میں اُس نے پڑھا تھا کہ کرۂ زمین کا دورہ ۲۴ ہزار میل ہے۔

مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اُس کے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اُس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے۔ حکم دیا کہ دربار میں جو ہیئت دان ماہرین فن ہیں۔ اُن کو ساتھ لیں۔ اور کسی ہموار اور وسیع صحرا میں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے استعمال سے کرۂ زمین کی پیمایش کریں سنجار کا سطح اور وسیع میدان اس تجربے کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھہر کر آلات رصدیہ کے ذریعے سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا۔ پھر وہاں ایک کھونٹی گاڑدی اور ایک لمبی رسی اُس میں باندھ کر ٹھیک شمالی کی سمت چلے۔ رسی جہاں ختم ہو گئی۔ وہاں ایک دوسری کھونٹی گاڑدی اور اُس میں ایک رسی باندھ کر پھر شمالی سمت کو چلے اور ایک جگہ ٹھہر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا۔ اب جس قدر مسافت طے ہوئی تھی۔ اُسکی مساحت کی تو ۶۶ میل اور دو ثلث میل ٹھری۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح ۶۶ میل اور دو ثلث میل ہے۔ پھر اُسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اُسی طرح رسیاں باندھتے گئے۔ یہاں قطب شمالی کا ارتفاع لیا تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے۔ اب اس طرح حساب لگایا کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹھہری تھی۔ اُسکو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجہ اسی قدر قرار دئے گئے ہیں۔ اس حساب سے محیط زمین ۲۴ ہزار میل ٹھہرا۔

دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصد خانہ کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا آلات رصدیہ مہیا کئے وہ یہی نامور خلیفہ مامون ہے۔ اس کام کے لئے اُس نے علاوہ اُن لوگوں کے جو دربار میں تھے تمام ممالک محروسہ سے ہیئت و ہندسہ کے ماہرین فن طلب کئے۔ اور ۲۱۴ھ میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصد خانہ قائم کیا جس کے مہتمم یحیٰ ابن ابی المنصور ابن المنجمین خالد بن عبد الملک مرورودی۔ سند بن علی۔ عباس بن سعید جوہری۔ اور چند راضی دال علماء تھے۔ نہایت بیش بہا آلات رصدیہ طیار ہوئے۔ اور آفتاب کے میل کا مقدار۔ اس کے

---

۵۱ ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن موسےٰ۔ ۱۲

مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع۔ اور چند سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کیے گئے[51]۔

مامون کے زمانہ تک جس زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ وہ محمد بن ابراہیم فزاری کی تالیف تھی لیکن نئی تحقیقات کے بعد مامون کے ایک بڑے منجم ابوجعفر محمد بن موسے خوارزمی نے جو زیچ ترتیب دی۔ اُس کی شہرت مقبول نے اوروں کا نام مٹا دیا۔ یہ زیچ دنیا کی تمام مستند زیچوں سے ماخوذ تھی۔ اوساط ہندوستان کی زیچ کے مطابق رکھے تھے۔ تعدیلیں فارس کی تحقیقات کے موافق تھیں۔ اور میل شمس میں بطلیموس کی رائے لی تھی۔ اُس کے ساتھ ترتیب و تقریب کے متعلق خود پسند ایجادیں کی تھیں[52]۔

مامون کے ایک دوسرے منجم حبش حاسب مروزی نے بھی تین زیچیں طیار کیں مگر اُن میں جو تحقیقات جدیدہ کے مطابق اور مامون کے نام سے منسوب ہے زیادہ مشہور ہوئی[53]۔

ایشیائی حکومتوں میں کسی چیز کی اشاعت کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ فرمانروا کے وقت اُس کا قدر دان ہو۔ لیکن مامون کے عہد میں چند اور باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

اُس وقت تک مسلمانوں میں عزم و ثبات کا عام مادہ موجود تھا۔ اور ہر شخص کا دل جوش اور اُمنگ سے لبریز تھا۔ یہ سرگرم طبیعتیں جس طرف رُخ کرتی تھیں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتی تھیں اُس کے ساتھ مامون کی پایہ شناسی اور فیاضیوں نے اور بھی حوصلے بڑھا دئے اور چونکہ مامون خود نہایت محقق اور ماہر فن تھا۔ اور اُس کے دربار میں فروغ پانا کچھ آسان بات نہیں تھی۔ ملک میں کمال کا عام رواج ہو گیا۔

سنہ ۲۰۴ھ میں جب وہ بغداد پہونچا تو قاضی یحیٰی بن اکثم کو حکم دیا کہ علما و فضلا میں سے بیس شخص انتخاب کئے جائیں جو علمی مجلسوں میں شریک ہوا کریں۔ فرامین بھیجکر ہر جگہہ سے ادیب فقیہ۔ شاعر۔ متکلم۔ حکیم۔ طلب کئے۔ اور معقول تنخواہیں مقرر کیں[54]۔

اصمعی کو جو ایک اعجوبہ روزگار شخص۔ اور لغات عرب میں قریباً ایک خمس اُسی کی روایت ہے بصرہ سے بلانا چاہا۔ مگر چونکہ اُس نے ضعف اور پیرانہ سالی کا عذر کیا۔ اس لئے حکم دیا۔

---

[51] کشف الظنون ذکر الرصد۔ ۱۲۔ [52] دیکھو جامع القصص الہندیہ مطبوعہ فرانس مقام بُن ۱۸۳۶ء صفحہ ۱۰۰۔ [53] کشف الظنون ذکر زیج حبش الحاسب [54] نامہ دانشوران ناصری صفحہ ۱۱ و ۱۲۔ [55] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ۔ ۱۲

کہ نحو اور ادب کے مشکل مسائل جو دربار کے علما حل نہ کر سکیں۔ اصمعی کے پاس جواب کی غرض سے بھیجے جائیں۔ شاہ یونان کو خط لکھا کہ "حکیم لیو کو اجازت دی جاوے کہ مجھکو یہاں آکر فلسفہ پڑھا جائے۔ جس کے عوض میں صلح دائمی کا وعدہ اور پانچ ٹن سونا دینا منظور کرتا ہوں"۔

فرا نحوی کو جو علم نحو کے ارکان میں شمار کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ نحو میں ایسی جامع کتاب لکھے جو تمامی اصول کو حاوی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اس غرض سے ایوان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا۔ اور خدام و ملازم مقرر ہوئے کہ فرا کو کسی ضرورت کے لئے کچھ کہنا نہ پڑے۔ صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کرتا تھا کہ "وقت ہوا" بہت سے کاتب اور ناقلین معین ہوئے کہ جو کچھ فرا بتاتا جائے۔ لکھتے جائیں۔ دو برس کی متصل محنت میں ایک نہایت بسیط کتاب تیار ہوئی۔ مامون نے حکم دیا کہ اس کی بہت سی نقلیں لکھوا کر کتب خانوں میں بھیجی جائیں۔ اِس کتاب کا نام کتاب الحدود ہے۔ فرا نے اُس کے بعد کتاب المعانی لکچر کے طور لکھوائی۔ راوی کا بیان ہے کہ جو شائقین فن اُس کے لکھنے کے لئے ہر روز فرا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ میں نے اِن سب کا شمار کرنا چاہا تو نہ کر سکا۔ لیکن صرف قاضیوں کو گنا تو اسی تھے۔

مامون کے عہد خلافت کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی زمانے میں ہوئی۔ گو فارس میں اسلام سے پہلے سخنوری اوج کمال تک پہونچ چکی تھی۔ لیکن فتوحات عرب کے سیلاب میں وہ دفتر خدا جانے کہاں بہ گئے کہ آج بڑے بڑے وسیع النظر مصنف تذکروں کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی ایک قطعہ یا غزل کا پتہ نہیں دے سکتے۔ فارسی لٹریچر خلافت مامون کا یہ ابدی احسان ہے۔ کہ اس عہد میں اُس کی مردہ شاعری نے دوبارہ جنم لیا۔ مامون کی زبان مادری فارسی تھی۔ اُس کا ابتدائی زمانہ بھی خراسان میں بسر ہوا۔ لیکن دربار میں صرف عرب کے شعرا تھے۔ جو جشن و خوشی کے موقعوں پر فصیح و بلیغ قصائد لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے۔ اِس بات نے **عباس** مروزی ایک ایرانی فاضل کو رشک

---

۵۱ ابن خلکان ترجمۂ اصمعی۔ ۵۲ چمبرس انسائکلوپیڈیا۔ مطبوعہ ۱۸۶۸ء صفحہ ۲۴۷۔ جلد اول۔ ۱۲

۵۳ مرآۃ الجنان یافعی۔ و ابن خلکان ترجمۂ فرا نحوی۔ ۱۲

سے کے ساتھ جو حصلہ دلایا کہ ملک کی مردہ شاعری کو پھر زندہ کرے مامون کی مدح میں اُس نے ایک قصیدہؔ لکھا۔ جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین	گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدین
مر خلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را	دین یزداں را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کس بدیں منوال پیش از من چنیں شعری نگفت	مر زبان پارسی را ہست با ایں نوع بین
لیک ازاں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں لغت	گیرد از مدح و ثنائے حضرت تو زیب و زین

حکومت کی تاثیر دیکھو۔ عربی الفاظ نے ہزاروں برس کی خاص اور منجھی ہوئی زبان پر کس قدر جلد قبضہ کر لیا۔ کہ حب وطن میں ڈوبا ہوا شاعر۔ اپنے ملک کی زبان کو اُس سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اور نہیں کر سکتا۔

مامون کے عہد میں علم خط نے بھی جو ایشیا کا ایک بڑا جوہر ہے۔ نہایت ترقی حاصل کی اس سے پہلے بھی بہت سے خط ایجاد ہو چکے تھے۔ منصور۔ و مہدی عباسی کے زمانے میں اسحٰق بن حماد مشہور خوشنویس تھا۔ اُس کے شاگردوں نے بارہ قسم کے خط ایجاد کئے تھے لیکن اس وقت تک کسی نے اس فن کے اصول و ضوابط نہیں لکھے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اُس وقت تک یہ فن کوئی علمی فن نہ تھا۔ سب سے پہلے مامون کے درباریوں میں سے احول محرر نے اُس کے اُصول و قاعدے منضبط کئے۔ مامون کے وزیر اعظم ذوالریاستین نے بھی ایک خط ایجاد کیا۔ جو اُس کی طرف منسوب ہو کر قلم الریاسی کے نام سے مشہور ہے۔

مامون کا فضل و کمال علمی مجالس

اہل علم کی قدر دانی

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہو گئے۔ اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گذرا جو فضل و کمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس

ؔ دیکھو تذکرہ مجمع الفصحا۔ ذکر عباس مروزی - ۱۲

ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اُس کو خلفا و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب۔ فقہ۔ فلسفہ۔ کون سی بزم ہے۔ جہاں فخر و شرف کے ساتھ اُس کا استقبال نہ کیا جاتا۔ قریباً پانچ برس کی عمر میں وہ مکتب میں بٹھایا گیا۔ علما جو اُس کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ ہر ایک یگانۂ وقت تھا۔

یزیدی جس کو تعلیم کے ساتھ اتالیقی کی خدمت بھی سپرد تھی۔ ایک مشہور مصنف ہے خلیل بصری جو لغات عرب کا پہلا مدون ہے اُس کا اُستاد تھا۔ لغت میں کتاب النوادر یزیدی ہی کی تصنیف ہے۔ وہ ۲۰۲ھ ہجری تک زندہ رہا اور ہمیشہ مامون اس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ مامون کا دوسرا اوستاد۔ کسائی۔ نحو کے مجتہدین میں شمار کیا گیا ہے۔ **امام مالک** جو فن حدیث میں مامون کے استاد تھے۔ مشہور امام ہیں۔ آج دنیا میں سُنّی مذہب کے لوگ قریباً ایک ربع اُنہیں کے مقلد اور پیرو ہیں۔

مامون کے اساتذہ اور طالب العلمی کے حالات کو اس موقع پر ہم دوہرانا نہیں چاہتے ناظرین کتاب کے حصہ اول میں جہاں یہ حالات پڑھ چکے ہیں۔ اُن صفحوں کو ایک بار اور اُٹھا کر دیکھ لیں۔ ذیل کی حکایتوں سے جو نہایت صحیح اور مستند تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں مامون کی جامعیت اور فضل و کمال کا اندازہ ہو سکتا ہے

ایک دن علمار کا مجمع تھا۔ ہر فن کے اہل کمال دربار میں حاضر تھے۔ ایک عورت فریادی آئی کہ میرا بھائی چھ سو اشرفیاں چھوڑ کر قضا کر گیا۔ مگر لوگوں نے ترکہ میں مجھکو ایک ہی اشرفی دلوائی۔ **مامون** نے ذرا دیر دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا۔ دیکھا تو سہام صحیح تھے۔ عورت سے کہا کہ ہاں تجھ کو اتنا ہی ملنا چاہئے۔ اس غیر متوقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔ علمار نے پوچھا "امیر المومنین" "کیونکر"؟ مامون نے کہا، متوفی کی دو بیٹیاں ہوں گی۔ دو ثلث یعنے چار سو اشرفیاں تو اُن کو ملیں۔ ماں بھی ہوگی۔ جس کو سدس یعنے سو اشرفیاں پہونچیں۔ زوجہ کو ثمن یعنے پچھتر ۷۵۔ ملا ہوگا۔ ۲۵ باقی رہے" مامون نے عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا سچ کہنا۔ تیرے بارہ بھائی ہیں" عورت نے تسلیم کیا کہ ہاں۔ مامون نے کہا "دو دو اُن کو ملیں ۲۴۔ ہوئیں۔ ایک باقی رہی۔ وہ تیرا حق ہے[1]

---

[1] تاریخ الخلفار سیوطی ۱۲۰

ایک بار ایک شخص مامون کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ محدث ہوں اور اسی فن میں کل زندگی بسر کردی ہے۔ مامون نے کہا اس مسئلے کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں وہ ایک بھی نہ بتا سکا۔ مامون نے بیسوں روایتیں بیان کیں اور سندوں کا ایک تار باندھ دیا کہ اس باب میں ہشیم نے یہ کہا ہے۔ حجاج نے یہ روایت کی ہے۔ ایک دوسرے محدث کا یہ قول ہے" پھر اس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا۔ وہ اب بھی عاجز رہا۔ مامون نے اسی طرح حدیث کے متعدد طریقے بیان کئے۔ اور درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "لوگ تین دن حدیث پڑھ کر بھول جاتے ہیں کہ ہم بھی محدث ہیں۔ خیر۔ تین درہم اسکو دلاؤ۔

ادب و شاعری میں وکمال بہم پہونچایا تھا۔ کہ بڑے بڑے ماہرین فن اس کی استادی کا اعتراف کرتے تھے۔ قدما اور شعرائے جاہلیت کے علاوہ شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطعے اس کو نوک زبان یاد تھے۔ اور اس باب میں اس کی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہونچگئی تھی۔ علامہ یزیدی نے ایک بار خلیفہ واثق کی تعریف کی کہ تمام خلفائے عباسیہ میں واثق کے برابر کسی کو عرب کے اشعار نہیں یاد تھے۔ لوگوں نے نہایت متعجب ہو کر کہا۔ کیا مامون سے بھی زیادہ۔ یزیدی نے کہا ہاں۔ مامون نے ادب میں نجوم اور طب اور منطق کو بھی ملا دیا تھا۔ لیکن واثق نے ادب کے سوا اور کسی فن کی طرف توجہ ہی نہیں کی، مامون کو اس ذوق شوق میں شان سلطنت کا بھی خیال نہ تھا خود اس کی ہجو میں دعبل وغیرہ نے جو لکھا تھا۔ اسکو حفظ یاد تھا۔ اور زبان کی شستگی کے لحاظ سے اسکی تحسین کرتا تھا۔ خدا نے طبیعت ایسی موزوں اور طباع عطا کی تھی۔ کہ شعرا اسکی زود فہمی اور نکتہ سنجی پر حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔ ایک موقعہ پر جب عمارت بن عقیل نے سو شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا تو ہر شعر پر مصرعہ ثانی کے شروع ہونے سے پہلے مامون بتاتا گیا کہ یہ قافیہ ہے اور اس پہلو سے بندھا ہوگا۔ عمارت نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ خدا گواہ ہے۔ اب تک اس قصیدہ کا ایک شعر بھی میں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔

لہ تاریخ الخلفا السیوطی ۱۲۰

مامون نے کہا تم کو یہ معلوم ہو گا کہ جب عبد اللہ بن عباس کے سامنے ایک شاعر نے اپنا لکھا ہوا ہے۔ قصیدہ پڑھا تو وہ برابر دوسرا مصرعہ پڑھتے گئے ہیں اُنہیں کا فرزند ہوں[۵۱]۔ ایک بار اُس نے محمد بن زیاد اعرابی سے جو مشہور ادیب اور نساب تھا پوچھا کہ ہند کے اِس مصرعہ میں نحن بنات طارق (ہم طارق کی بیٹیاں ہیں)، طارق سے کون مراد ہے۔ محمد بن زیاد نے بہت خیال دوڑایا مگر ہند کے خاندان میں طارق کسی کا نام نہ تھا۔ آخر عرض کیا حضور۔ میں نہیں بتا سکتا مامون نے کہا "یہاں "طارق" کے معنی ستارہ کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کی اِس آیت میں ہے وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ شاعرہ نے فخریہ اپنے کو ستارہ کی طرف منسوب کیا ہے" محمد نے عرض کیا کہ کوئی سند ارشاد ہو۔ مامون نے کہا میں خود مجتہد الفن اور مجتہد (یعنی ہارون الرشید) کا فرزند ہوں۔ یہ کہکر فخر کے جوش میں عنبر کا ایک غلہ جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ محمد کی طرف پھینکا۔ محمد نے اِس گرانبہا انعام کو جو پانچہزار درہم قیمت رکھتا تھا بڑی خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہوا[۵۲]۔

مروان بن ابی حفصہ اُس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ہارون الرشید نے اُس کو ایک قصیدہ پر اسپ خاصہ و خلعت اور پانچ ہزار دینار انعام میں دیے تھے۔ چونکہ مامون الرشید باپ سے بھی زیادہ فیاض اور پایہ شناس تھا۔ مروان نے اِس اُمید پر کچھ مدحیہ اشعار لکھے اور مامون کو سُنائے۔ لیکن اِس بات سے کہ مامون نے نہ کچھ داد دی نہ اُس کے چہرے سے کچھ قبول کا اثر ظاہر ہوا۔ مروان کو سخت تعجب ہوا۔ دربار سے واپس آکر عمارۃ بن عقیل سے کہا "کیوں تمہاری کیا رائے ہے۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ مامون کو سخن فہمی کا مطلق مادہ نہیں ہے" (عمارۃ) ایں!! مامون سے زیادہ اور کون نکتہ سنج ہو سکتا ہے (مروان) مگر میں نے تو اُس کے سامنے یہ لاجواب شعر پڑھا۔ اور اُس کو ذرا جنبش نہ ہوئی۔

	بالدین والناس بالدنیا مشاغیل		اضحی امام الھدی المامون مشتغلا	

[۵۱] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

[۵۲] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

ترجمہ لوگ دنیا کے کاروبار میں پھنسے ہیں۔ لیکن۔ امام۔ رہنما۔ مامون دین میں مشغول ہے۔ عمارت، سبحان اللہ۔ اس شعر کی بھی آپ داد چاہتے ہیں۔ مامون نہ ہوا کوئی بڑھیا ہوئی کہ محراب میں بیٹھی تسبیح پھرا رہی ہے۔ اگر مامون (جو بار سلطنت کا حامل ہے) دنیا کا کفیل نہ ہوگا اور کون ہوگا۔ (مروان) اب میں سمجھا کہ میری خطا تھی۔

مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے۔ ثمامۃ بن اشرس کا قول ہے کہ "میں نے جعفر برمکی اور مامون سے زیادہ فصیح اور بلیغ کسی کو نہیں دیکھا"

مامون کے خطبے اب بھی موجود ہیں۔ جن کے ہر فقرہ سے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی ہے۔ اگرچہ اس وقت خطبوں کا وہ زور شور نہیں رہا تھا۔ جیسا جاہلیت یا آغاز اسلام میں تھا۔ اور خصوصاً پولٹیکل موقع پر تو اسکی صدا بالکل ناپید ہوگئی تھی۔ تاہم جمعہ اور عیدین میں ابتک فصحا اپنی تیغ زبان کا جوہر دکھاتے تھے۔ لیکن آجکل کی طرح لکھکر سوختہ نہیں سناتے تھے۔ بلکہ جو کچھ کہتے تھے زبانی اور محل کہتے تھے۔ اس قسم کے خطبے جو مامون نے مختلف وقتوں میں پڑھے۔ کتاب العقد لابن عبدربہ میں بالفاظہا مذکور ہیں مگر افسوس ہے کہ ان کا نقل کرنا یہاں موزوں نہ ہوگا۔ ناظرین میں سے عربی دان کتنے ہیں۔ اور ترجمہ کیا جاوے تو وہ بات نہیں رہتی۔ سخنوری کے لحاظ سے مامون ایک بلند رتبہ شاعر تھا اُس کے چند شعر جن کی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا اندازہ کسی قدر ترجمے سے ہوسکتا ہے ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں[1]۔

لسانی کتوم لاسرارکم	میری زبان تمہارے رازوں کو چھپاتی ہے
ودمعی نموم لسری مذیع	لیکن آنسو غماز ہیں اور میرے راز کو فاش کر دیتے ہیں۔
فلولا دموعی کتمت الھوی	اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا سکتا۔
ولولا الھوی لم یکن لی دموع	اور اگر عشق نہ ہوتا تو آنسو ہی کیوں ہوتے۔
انا المامون والملک الھمام	میں مامون ہوں اور عظیم الشان بادشاہ ہوں۔
ولکنی بحبک مستھام	لیکن تیرے عشق میں سرگشتہ ہوں۔

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲ ۔ ۳۲۵ یہ اشعار فوات الوفیات و تاریخ الخلفاء و کامل بن الاثیر و عقد الفرید سے جمع کئے گئے ہیں ۱۲۔

أترضى أن أموت عليك وجداً	کیا تجکو یہ پسند ہے کہ میں تیرے عشق میں مرجاؤں
ويبقى الناس ليس لهم إمام	اور دنیا بے امام کے رہجائے۔
بعثتك مرتاداً ففزت بنظرة	میں نے تجکو محبوب کی تلاش میں بھیجا۔ تو اُسکے دیدار سے کامیاب ہوا
وأغفلتني حتى أسأت بك الظنا	اور مجھے بھول گیا۔ جس سے مجکو تیری نسبت بدگمانی ہوئی۔
فناجيت من أهوى وكنت مباعداً[۱]	میرے محبوب سے تونے سرگوشی کی۔ اور میں دور تھا۔
فيا ليت شعري عن دنوك ما أغنى	ہائے تیرا قرب (محبوب سے) میرے کس کام آیا۔
فيا ليتني كنت الرسول وكنتني	کاش میں ہی قاصد ہوتا۔ اور تو بجائے میرے ہوتا۔
فكنت الذي تقصى وكنت الذي أدنى	پس تو محبوب سے دور رہتا اور میں قریب ہوتا۔
أرى أثراً منه بعينيك بيّناً	میں تیری آنکھوں میں علانیہ محبوب کا اثر دیکھتا ہوں۔
لقد أخذت عيناك من عينه حسناً	بے شبہ تیری آنکھوں نے اسکی آنکھوں سے حسن لے لیا ہے

قاصد پر رشک کرنا شعرا کا ایک وسیع مضمون ہے۔ اور بہت سے نازک خیالوں نے اُس کے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ عرفی نے قاصد سے گذر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اس کا شعر یہ ہے۔ **شعر**

بسوئے او نفرستم پیام ازاں ترسم	کہ بر حکایت من مطلع شود پیغام

مگر نکتہ سنج سمجھ سکتا ہے کہ مامون نے اس مضمون کو کس کس طرح پلٹا ہے اور ہر بندش میں جدت کے ساتھ بات میں بات نکالی ہے۔

ہمہ دانی

ایک بار عید کے دن **مامون** کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے زائد مختلف اقسام کے کہانے دسترخوان پر چنے گئے۔ مامون ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ "بلغمی مزاج کو یہ مفید ہے۔ سوداوی کو وہ نافع ہے۔ جس کو صفرا کا زور ہو۔ وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے۔ جو تقلیل غذا کا عادی ہے وہ یہ کھائے مامون کی ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم سے نہ رہا گیا بیساختہ بول اُٹھے کہ "امیر المومنین آپ کی کس کس بات کی تعریف کی جائے

۱؎ قاصد سے خطاب ہے۔ ۱۲

طب کا ذکر ہو تو آپ جالینوس وقت ہیں ۔ نجوم کی بات چھڑے تو ہرمس فقہ کی بحث ہو تو علی مرتضٰے ۔ سخاوت ہیں حاتم ۔ راست بیانی ہیں ابوذر ۔ وفا ہیں سموئل "۔ اس کچی خوشامد سے مامون بھی بھڑک اُٹھا ۔ اور کہا کہ " ہاں آدمی کو جو شرف ہے عقل سے ہے ۔ ورنہ خون اور گوشت میں کیا خوبی رکھی ہے ۔

مامون کے بعض دل آویز اقوال اس موقع پر نقل کرنا موزوں ہوگا جن سے اُس کے لطیف اور اعلیٰ و فیاضانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اُس کا قول تھا کہ " شریف وہ ہے جو بڑوں کو دبالے اور چھوٹوں سے تو دوبے "" عقلوں کی لڑائی دیکھنے سے ۔ دنیا میں کوئی تماشا عمدہ نہیں "۔ " دلیل سے غالب ہونا میں بہ نسبت زور سے غالب ہونے کے زیادہ پسند کرتا ہوں "" آدمی تین قسم کے ہیں ۔ بعض ایسے ہیں ۔ جن کی ہر وقت ضرورت ہے ۔ بعض بمنزلہ دوا کے ہیں کہ خاص وقتوں میں ان کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ بیماری کی طرح کسی حال میں پسندیدہ نہیں "۔ بادشاہ کو لجاجت نہایت نازیبا ہے ۔ اور اُس سے زیادہ یہ نازیبا ہے کہ قاضی فریقین کی تسکین نہ کرسکے ۔ اور گھبرا جائے ۔ اور ان سب سے زیادہ ناموزوں ۔ بوڑھوں کی ظرافت ۔ جوانوں کی کاہلی ۔ سپاہی کی بزدلی ہے "" سب سے عمدہ مجلس وہ ہے جس میں لوگوں کے حالات سے واقفیت ہو "

لطیفہ مامون شطرنج کا بڑا شایق تھا ۔ مگر اچھی نہیں کھیلتا تھا ۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ " عرصہ عالم کا بندوبست کرتا ہوں مگر دو بالشت کا انتظام نہیں کرسکتا ۔

مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اُسکا یہ دعوی تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علی افضل تر ہیں ۔ ایک بڑے معرکے کا مناظرہ ہے ۔ قاضی یحیٰی بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعوے کے مخالف تھے ۔ ادہر مامون تنہا ۔ سب کا طرف مقابل تھا ۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اُٹھا دیا گیا تھا ۔ اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی صبح سے قریباً دوپہر تک دونوں فریق نے دادِ سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا ۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقدہ میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ وہ مامون کی وسعت نظر جودت ذہن

مامون کے چیدہ اقوال

مناظرہ اور علمی مجلس

کثرت معلومات۔ حسن بیان۔ زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے۔

یوں تو مامون کی عام مجلسیں بھی علمی تذکروں سے خالی نہیں ہوتی تھیں لیکن شنبہ کا دن مناظرہ کا مخصوص دن تھا جس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب و ملت کے علماء اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوئے۔ ایک پرتکلف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا۔ سب لوگ نہایت بے تکلفی سے وہاں بیٹھ گئے۔ خادم نے ہر شخص کے سامنے آکر عرض کیا کہ بے تکلفی سے تشریف رکھئے۔ اور چاہئے تو پاؤں کے موزے بھی اُتار ڈالئے۔ پھر دستر خوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ واشربہ سے مزین ہوتا تھا۔ بچھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب نے وضو کیا۔ عود لوبان کی انگیٹھیاں آئیں۔ کپڑے بسائے خوشبو ملی۔ خوب مطیب و معطر ہو کر دارالمناظرۃ میں حاضر ہوئے۔ اور مامون کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ مامون خود ایک فریق بنتا تھا۔ لیکن اس آزادی سے گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ کہ گویا کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مجلس میں خلیفہ وقت بھی موجود ہے۔ دوپہر تک یہ انجمن قائم رہتی تھی۔ زوال آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا تھا اور لوگ کھا پی کر رخصت ہوتے تھے[۵۱]۔ ان مجلسوں میں بعض وقت اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ مگر مامون بڑے حلم و متانت سے برداشت کرتا تھا۔ ایک بار محمد سولی و علی بن الہیثم بحث کے دو فریق تھے گفتگو جسقدر بڑھی بدمزہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ محمد صولی نے علی کو سخت کہدیا۔ علی نے برافروختہ ہوکر کہا "اسوقت تم کسی دوسرے کی زبان سے بول رہے ہو۔ ورنہ اس مجلس سے باہر تم ایک کہتے تو دو سنتے"۔ اس بیباکانہ گستاخی سے دفعتاً مامون کا چہرہ متغیر ہوگیا تاہم اسنے ضبط کیا اور اُٹھکر زنانہ میں چلا گیا۔ کہ بات کو ٹال جائے۔ جب غصہ فرو ہوا تو پھر دربار میں آیا[۵۲]۔

ایک دن ایک ثنوی المذہب[۵۳] سے نہایت لطیف بحث ہوئی۔ مامون نے اس سے پوچھا کہ انسان برا کام کرنے کے بعد کبھی شرمندہ بھی ہوسکتا ہے (ثنوی) ہاں کیوں نہیں

---

۵۱ مروج الذہب مسعودی۔ خلافۃ المامون ۵۲ آغانی۔ جز ۱۴ صفحہ ۳۶ ۔مطبوعہ مصر ۱۲۸۵ھ۔ ۱۲

۵۳ ایک فرقہ ہے جو نیکی اور بدی کا جدا جدا خالق مانتا ہے ۱۲

(مامون) گناہ پر نادم ہونا اچھا ہے یا بُرا (ثنوی) اچھا ہے۔ (مامون) جو شخص نادم ہوا گناہ اُس سے سرزد ہوا تھا۔ یا کسی دوسرے شخص سے (ثنوی) اُسی سے (مامون) بس تو ایک ہی شخص سے گناہ بھی ہوا۔ اور ثواب بھی (ثنوی) گھبرا کر نہیں میں یہ کہونگا کہ جو نادم ہوا اُس نے گناہ نہیں کیا تھا۔ (مامون) تو اُس کو اپنے گناہ پر ندامت ہے یا دوسرے کے (ثنوی) آخر لاجواب ہو کر ساکت ہو گیا۔ ایک اور دن مجلس مناظرہ قائم تھی۔ چوبدار نے اطلاع کی کہ ایک اجنبی شخص دروازے پر کھڑا ہے۔ اور حضور سے بحث کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ مامون نے حکم دیا کہ "بلالو" آیا تو اس ہیئت سے آیا کہ جوتا ہاتھ میں اور پائیچے چڑھے ہوئے۔ صف نعال میں کھڑا ہوا اور وہیں سے چلا کر کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ"۔ مامون نے سلام کا جواب دیا اور اجازت دی کہ قریب آکر بیٹھے۔ مامون سے اُس نے پوچھا کہ "خلافت آپ نے بزور حاصل کی ہے یا دنیا کے تمام مسلمانوں نے۔ اتفاق رائے سے آپکو منتخب کیا ہے" مامون نے کہا "نہ زور سے نہ اتفاق سے۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جماعت اسلام پر جو حکمراں تھا۔ اور عامہ مسلمانان جبراً یا طوعاً اُسکے حلقہ بگوش اطاعت تھے۔ اُسنے میری ولیعہدی کے لئے عام بیعت لی اور اُس وقت جو لوگ اسلامی طاقت کے ارکان مانے جاتے تھے سب نے معاہدہ بیعت پر دستخط کئے۔ اُسکے انتقال کے بعد میں نے خیال کیا۔ کہ جسپر دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو وہ تخت نشین ہو۔ لیکن ایسا شخص نہ مل سکا۔ اد سر ملک کے نظم و نسق کے لئے ایک قوی انتظام کی ضرورت تھی۔ ورنہ امن وامان میں خلل آتا اور عظمت اسلامی کے تمام اجزا متفرق ہو جاتے۔ مجبوراً نہ سر دست میں نے یہ بار اپنے سر لیا۔ اور منتظر بیٹھا ہوں کہ جب دنیا کے تمام مسلمان اتفاق رائے سے ایک شخص کو انتخاب کر لیں تو میں عنان حکومت اُسکے ہاتھ میں دیکر الگ ہو جاؤں۔ میں تمکو اپنا وکیل کرتا ہوں ایسا موقع ہو تو فوراً مجکو خبر کرنا۔[۲]

ایک دن مامون نے یحیی ابن اکثم سے جو قاضی القضاۃ تھے۔ کہا کہ میری خواہش ہے کہ

[۱] عقد الفرید ۱۲ [۲] مروج الذہب مسعودی۔ خلافت مامون۔

آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے۔ معمول کے موافق ممبر رکھا گیا۔ اور مامون نے ممبر پر بیٹھکر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا۔ قریبًا تیس حدیثیں تحقیق و تنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رخ سے اُس نے جان لیا کہ لوگ محظوظ نہیں ہوئے۔ ممبر پر سے اترا تو قاضی یحییٰ سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ "تم لوگوں کو کچھ مزہ نہ آیا۔ حقیقت میں اس منصب کے وہی لوگ مستحق ہیں۔ جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے۔ اور ممبر پر بھی بیٹھتے ہیں تو ان کے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں[۵۱]"۔ مامون کی راست پسندی کا اگر شاہ کی خودرائی اور جہل مرکب سے مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب حیرت انگیز تفاوت معلوم ہوتا ہے ایک دن دربار میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔ حاضر کیا گیا حسب معمول بہت سے منجم اور ہیئت داں علما بھی حاضر تھے مگر کسی کو اُسکے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔ مامون نے ستارہ شناسوں کو حکم دیا کہ زائچہ دیکھکر بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ سب نے صحن میں جاکر طالع کو دیکھا تو یہ صورت تھی کہ شمس و قمر ایک دقیقہ میں تھے مشتری سنبلہ میں تھا۔ اور اسی کی طرف ناظر تھا۔ زہرہ و عطارد عقرب میں تھے اور عقرب کی طرف ناظر تھے۔ اس بنا پر سب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جو دعوی کیا ہے صحیح ہوگا۔ لیکن یحییٰ بن منصور نے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مشتری ہبوط میں ہے۔ اور جس برج میں ہے۔ اُس سے کارہ ہے۔ اس بات نے طالع کی سعادت بالکل زائل کر دی ہے۔ دونوں فریق قیاسات لگا چکے۔ تو مامون نے کہا "یہ بھی جانتے ہو کہ اس شخص نے کس بات کا دعوی کیا ہے۔ یہ نبوت کا مدعی ہے"۔ حاضرین دربار یہ سنکر اُس سے معجزہ کے طالب ہوئے۔ اُس نے ایک انگوٹھی پیش کی۔ کہ میرے سوا جو اسکو پہن لے گا۔ بے اختیار ہنسنا شروع کریگا۔ اور جبتک اتار نہ ڈالے یہی حالت رہیگی۔ لیکن اگر میں پہن لوں تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اُس نے ایک قلم دکھایا جس سے صرف وہ لکھ سکتا تھا۔ اور دوسرا شخص اس سے لکھنا چاہتا تو مطلق

[۵۱] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

نہیں چلتا تھا۔ تجربے سے دونوں باتیں صحیح نکلیں۔ مامون نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی نادر علمی شعبدہ ہے۔ اور اگر نبوت کے ادعائے باطل سے وہ باز آئے تو کام کا آدمی ہوگا۔

مامون نے اسکو اپنا ندیم بنالیا۔ اور اس قدر استمالت اور مراعات کی کہ آخر اُسنے اپنا راز بتا دیا۔ اور انگوٹھی اور قلم میں جو صنعت تھی ظاہر کردی۔

مامون نے ہزار دینار انعام میں دئے اور مقربین میں داخل کرلیا[۱]۔ یہ شخص ریاضی اور ہیئت کا بڑا عالم تھا۔ طلسم الخناطق اسی کی ایجاد ہے جو بغداد کے اکثر گھروں میں موجود تھا۔

ایک بار نضر بن شمیل المتوفی سنہ ۲۰۳ ہجری جو خلیل بصری کے شاگرد۔ اور حدیث فقہ۔ نحو۔ غریب۔ شعر۔ ایام العرب میں استاد وقت تھے۔ مامون کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چونکہ مامون کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی سے واقف تھے کپڑے تک نہیں بدلے۔ اور وہی مدت کا بوسیدہ قمیص وعبا زیب بدن کئے ہوئے ایوان شاہی میں چلے آئے (مامون) کیوں۔ نضر! امیر المومنین سے اس لباس میں ملنے آئے ہو (نضر) مرو کی سخت گرمی کی انہیں کپڑوں سے حفاظت ہوتی ہے (مامون) یہ تو بہانے ہیں اصل یہ ہے کہ تم کفایت شعاری پہ مرتے ہو!! اس کے بعد علم حدیث کا تذکرہ شروع ہوا۔

مامون نے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی مگر "سداد" کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا۔ فتحہ سے پڑھ گیا۔ نضر نے اس غلطی پر اسکو متنبہ کرنا چاہا تو اسی حدیث کو اپنی وساطت سے بیان کیا اور سداد کو بکسر پڑھا۔ مامون تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ دفعتاً سنبھل بیٹھا۔ اور کہا "کیوں کیا سداد بفتحہ غلط ہے؟" نضر۔ ہاں ہشیم آپکے اُستاد نے آپکو غلط بتایا (مامون) کیا دونوں کے معنے مختلف ہیں (نضر) سداد بالفتح کے معنی راست روی کے ہیں۔ سداد بالکسر اُسکو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز روکی جائے (مامون) کوئی سند بتا سکتے ہو (نضر) عربی کا یہ شعر موجود ہے۔

لیوم کریہۃ وسداد ثغر		اضاعونی وای فتی اضاعوا

[۱] مختصر الدول۔ حکمائے عہد مامون ۱۲

مامون نے سر نیچے کر لیا اور کہا کہ خدا اُسکا بُرا کرے جسکو فن ادب نہیں آتا!! پھر نضر سے مختلف مضامین کے اشعار سُنے اور رخصت ہونے کے وقت وزیر اعظم **فضل بن سہل** کو رقعہ لکھدیا کہ پچاس ہزار درہم نضر کو عطا کئے جائیں۔ نضر یہ رقعہ خود لیکر فضل کے پاس گئے۔ فضل نے رقعہ پڑھکر کہا۔ تم نے امیر المومنین کی غلطی ثابت کی۔ نضر نے کہا نہیں غلطی تو ہشیم نے کی۔ امیر المومنین پر کیا الزام ہے۔ فضل نے پچاس ہزار پر تیس ہزار اور اپنی طرف سے مزید کئے۔ اس طرح ایک غلطی بتلانے کے صلہ میں نضر نے اسی ہزار درہم حاصل کئے[۱]

کلثوم عتابی۔ جسکو اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا۔ اور بجا بھی تہا۔ مامون کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر بغداد پہونچا۔ اور دربار میں حاضر ہوا۔ مامون نے مزاج پرسی کی۔ اور حالات پوچھے۔ کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی۔ کہ مامون بھی حیرت میں رہگیا اور حکم دیا کہ ہزار دینار اُسکے سامنے لاکر رکھدیں۔ لیکن چونکہ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی کا امتحان ہنوز باقی تھا۔ مامون نے اسحق موصلی کی طرف اشارہ کیا کہ کلثوم کو اس فن میں آزمائے اسحق نے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو شروع کی۔ اور اعتراضات کا تار باندہ دیا۔ کلثوم بالکل حیرت زدہ ہوگیا کہ اس بلا کا ذہین کون شخص ہوسکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اس نے مامون سے اجازت طلب کی پھر اسحق کی طرف متوجہ ہوا کہ "آپکا نام و نسب کیا ہے"؟ (اسحاق) "لمبا آدمی ہوں اور میرا نام کل بصل ہے" (کلثوم) "نسب تو خیر ظاہر ہے۔ مگر نام نئے ڈہنگ کا ہے" (اسحق) "کل بصل" "کلثوم" سے تو زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ لہسن سے پیاز بہر حال اچھی[۲] ہے۔ اس لطیفہ پر کلثوم بھی پھڑک گیا اور مامون سے درخواست کی کہ ہزار دینار جو مجکو انعام میں عطا ہوئے ہیں اسیکو دلائے جائیں مگر مامون نے کلثوم کا انعام مضاعف کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اسحاق کو بھی اُسیقدر صلہ عطا کیا جائے[۳]

مامون کا دربار اگرچہ نامور شعرا سے معمور تہا۔ جو وقتاً فوقتاً قصیدے اور قطعے لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تہے۔ لیکن عام ایشیائی فرمانرواؤں کی طرح وہ اپنی مدح کی دلاویز صداؤں سے جی خوش کرنا نہیں چاہتا تہا۔ بلکہ اس فیاضی سے اوس کو زیادہ تر علم و

---

[۱] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲ [۲] عربی میں لہسن کو ثوم اور پیاز کو بصل کہتے ہیں ۱۲ [۳] مروج الذہب مسعودی خلافت مامون ۱۲

ادب کی ترقی مقصود تھی تشبیب اور عام مضامین کے متعلق جو اشعار ہوتے تھے ان کو نہایت ذوق سے سنتا تھا۔ لیکن خاص مدحیہ اشعار دو تین سے زیادہ سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ اور یہ کہکر شاعر کو روک دیتا تھا کہ "بس میری قدر افزائی کے لئے اتنا کافی ہے"[1]

اہل علم کے ساتھ ماموں کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی۔ اہل کمال کا عموماً وہ نہایت ادب کرتا تھا۔ اور اسکی شاہانہ فیاضیاں ان لوگوں کے لئے بالکل بے روک تھیں علامہ **واقدی** نے جو فن سیر کے امام ہیں۔ ایک بار ماموں کو خط لکھا جسمیں ناداری کی شکایت اور لوگوں کا جسقدر قرضہ چڑھ گیا تھا۔ اُس کی تعداد لکھی تھی۔ ماموں نے جواب میں یہ الفاظ لکھے "آپ میں دو عادتیں ہیں۔ حیا و سخاوت۔ سخاوت نے آپ کے ہاتھ کھولدئے ہیں کہ جو کچھ تھا آپنے سب اڑا ڈالا۔ حیا کا یہ اثر ہے کہ آپنے اپنی پوری حاجت نہیں ظاہر کی۔ میں نے حکم دیدیا ہے۔ تعداد مطلوبہ کا مضاعف آپکی خدمت میں پہونچ جاویگا۔ اگر آپ کی اصلی ضرورت کے لئے یہ تعداد پوری نہ اترے تو خود آپ کی کوتہ قلمی کا قصور ہے۔ اور اگر کافی ہوجائے تو آئندہ بھی آپ جس قدر چاہیں فراخ دستی سے صرف کریں۔ خدا کے خزانہ میں کچھ کمی نہیں ہے۔ آپنے خود مجھسے حدیث روایت کی تھی۔ کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں۔ خدا بندوں کے لئے اُنکے خرچ کے موافق رزق دیتا ہے۔ زیادہ ہو تو زیادہ اور کم ہو تو کم" علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی وہ صلہ سے زیادہ اس بات پر خوش ہوئے کہ ماموں کے یاد دلانے سے اُنکو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آگئی[2]

ماموں کے دو فرزند فرا نحوی سے تعلیم پاتے تھے۔ ایک بار وہ کسی کام کے لئے مسند درس سے اُٹھا۔ دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدھی کرکے آگے رکھدیں مگر چونکہ دونوں ساتھ پہونچے اسپر نزاع ہوئی کہ اس شرف کیساتھ اختصاص کس کو ہو۔ آخر دونوں نے فیصلہ کرلیا اور ہر ایک نے ایک جوتی سامنے لاکر رکھی۔

ماموں نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ فوراً اطلاع ہوئی۔ اور

---

[1] آغانی۔ ترجمہ اولاد ابو محمد یزیدی ۱۲ [2] ترجمہ واقدی ابن خلکان ۱۲

المامون کی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگون کے اُن کامون کو جو یاد رکھنے کے قابل ہین بھلا دے یا اُن کو نہ جانے۔ بزرگون کے قابل یادگار کامون کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا دونون طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہ ہول۔ اور نہ کچھ کرین۔ اور صرف بزرگون کے کامون پر شیخی کیا کرین۔ تو اُستخوان جدفروشش کے سوا کچھ نہیں اور اگر اپنے میں ویسا ہونے کا چسکا ہو تو پھر وہ اِمرت ہے۔ مگر ہم وہ کرین یا یہ کرین۔ یہ تو پچھلی بات ہے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ دلچسپ حالات اور پرفخر واقعات ہم کو ملین کہان سے۔ ہماری تاریخین اُس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں جس مین زمانے نے تاریخ نویسی کے فن کو پوری طرح پر ترقی نہیں دی تھی اسلیئے ہمارے بزرگون کے کامون کے گوہر آبدار کہیں بکھرے پڑے ہوئے ہیں، اور کہیں کوڑے کرکٹ میں رسلے ملے ہیں ایک نہایت لایق شخص کا کام ہے جو اُن کو چنے اور لڑی میں پروکر سجائے۔

ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہمارے دوست مخدوم اور ہمارے مدرسۃ العلوم کے پروفیسر **مولانا مولوی محمد شبلی نعمانی** نے اِس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور ایک سلسلہ ہیروز آف اسلام کا لکھنا چاہا ہے۔ اُسی سلسلہ میں کی ایک یہ کتاب ہے جو **المامون** کے نام سے موسوم ہے۔ اُنھون نے خلفائے بنی عباس میں سے مامون الرشید ابن ہارون الرشید کو عباسی خلفاء کا ہیرو قرار دیا ہے۔ اور اُسکے تمام کارنامے اچھے یا بُرے نہایت خوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی سے اُس مین لکھے ہین۔

تاریخانہ واقعات لکھنے چندان مشکل نہ تھے مگر وہ باتین جنکے لکھنے کا اُس زمانہ کے مورخون کو بہت کم خیال تھا۔ یا اُنکی قدر نہیں کرتے تھے۔ اور اِس زمانہ میں انھیں کی تلاش اور اُنھیں کی قدر کیجاتی ہے۔ تلاش کرنی نہایت مشکل تھی **مولانا** نے اسمیں پوری یا جہانتک ممکن تھی کامیابی حاصل کی ہے۔ پہلے حصہ میں انھون نے تاریخانہ واقعات لکھے ہین اور نہایت خوبی اور اختصار سے دکھایا ہے

کہ خلافت کا سلسلہ کیونکر اور کیوں خاندان بنی امیہ کو برباد کر کے عباسی خاندان مین پہونچا اور کیا
اسباب جمع ہوئے جس سے امین اُس کا بھائی محروم اور مقتول اور خود مامون تمام مملکت اسلامی
کا مالک الملک لاشریک لہٗ بنگیا۔

جابجا واقعات دلچسپ سے بھی اِس حصہ کو آراستہ کیا ہے۔ جسکے سبب سے یہ سوکھا اور
پھیکا تاریخانہ حصہ نہایت دلچسپ ہو گیا ہے۔

دوسرے حصہ میں انتظام سلطنت۔ آمدنی مملکت۔ فوجی انتظام۔ عدالت اور اسکی جزئیات کو جہان
جہان سے ملیں چُن چُن کر ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اور مامون کی خصلت اور اوسکی سوشیل حالت
اُس کی پرایوٹ زندگی اُسکے مشغلون اور اُسکی مجلسون کا ذکر کیا ہے اور اُس زمانہ کی زندگی اور طرز
معاشرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یہ حصہ نہایت ہی دلچسپ ہے شان اور عظمت اور جلال خلافت
کے ساتھ ایسی ایسی سادہ اور بے تکلف باتوں سے بھرا ہوا ہے کہ اس سے اُس کو۔ اور
اُس سے اوسکو رونق ہوتی ہے۔

اِس حصہ میں لطائف و ظرافت کے ساتھ علمی اور خصوصًا علم ادب کے ایسے ایسے نکتے مذکور ہین
جو ادیب کے لیئے سرمایہ ادب اور ظریف کے لیئے سرمایۂ ظرافت ہیں۔

اِس قدر جزئیات کو تلاش کرنا اور نظم اسلوب سے ایک جگہ جمع کرنا کچھ آسان کام نہ تھا مصنف
نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جسکا حوالہ معتبر ماخذ سے نہ دیا ہو۔ ہر ایک جزوی بات پر بھی اُس کتاب کا
جس سے وہ بات لی گئی حوالہ دیا ہے۔ اُسکے حاشیوں پر جس قدر کتابون کے حوالے ہیں ان کو دیکھکر
اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے مین کس قدر جانکاہی ہوئی ہوگی۔ اور مصنف کو کتنے ہزارون
ورق تاریخون کے اُلٹنے پڑے ہونگے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ مصنف نے اُن
جزئیات کو ایسی کتابوں سے تلاش کر کے نکالا ہے جن کی نسبت خیال بھی نہوتا تھا کہ اُنمین مامون کے
حالات ہونگے تو اُس محنت کی وقعت و قدر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب اردو زبان مین لکھی گئی ہے۔ اور ایسی صاف و شُستہ اور برجستہ عبارت ہے کہ دلّی والون
کو بھی اُسپر رشک آتا ہوگا۔

اُردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے مگر اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے۔ کہ ہر فن کے

لیئے زبان کا طرز بیان جدا گانہ ہے تاریخ کی کتابون مین ناول (قصہ) اور ناول مین تاریخانہ طرز کو کیسی ہی فصاحت اور بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کرتا ہے۔

لارڈ میکالی جو انگریزی زبان کا بے نظیر ادیب ہے اُسکے تاریخانہ ایس سے باعتبار فصاحت و بلاغت کے اپنا نظیر نہیں رکھتے مگر ایشیائی اور شاعرانہ طرز ادا سے تاریخانہ اصلیت کو بہت کچھ نقصان پہونچانے والے ہیں۔

ہمارے لائق مصنف نے اِسکا بہت کچھ خیال رکھا ہے۔ اور باوجود تاریخانہ مضمون ہونے کے ایسی خوبی سے اسکو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخانہ اصلیت بدستور اپنی اصلی صورت پر موجود ہے۔ جو خوبصورت ہے۔ خوبصورت ہی جو بھونڈی ہی بھونڈی ہے نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بھونڈے پنے کو زیادہ بھونڈا اور درحقیقت یہی کمال تاریخ نویسی کا ہے

اِس کتاب کا حق تصنیف مصنف نے اپنی فیاضی اور قومی ہمدردی سے مدرستہ العلوم علی گڈہ کو عطا کیا ہے۔

پہلا ایڈیشن اِس کتاب کا اسی سال میں کمیٹی مدرستہ العلوم نے کمیٹی کے فائدہ کے لیئے چھاپا اور سب فروخت ہو گیا۔ اور لوگون کی طلب باقی رہی۔ میں نے کمیٹی کی طرف سے اوس کے فائدے کے لیئے دوسرے ایڈیشن کے نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور اُسکے لیئے یہ دیباچہ لکھا۔

مگر مجکو مصنف کا دوبارہ شکر ادا کرنا پڑا کہ انھون نے مہربانی سے پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی کی اور بعض نہایت مفید اور ضروری مضامین اِس مین اضافہ کیئے اور حکمائے عہد مامون مین بالتخصیص نہایت مفید اضافہ کیا۔ مجکو اُمید ہے کہ یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بھی زیادہ مطبوع طبع ہوگا۔

سید احمد خان
سکرٹری کمیٹی مدرستہ العلوم علی گڈہ
۱۲ اکتوبر سنہ ۱۸۸۹ء